Majallah-yi Talim o Tahqiq

مجلہ تعلیم و تحقیق

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem, Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, ISSN (Online): 2618-1363

Issue 4,Vol 5,October-December,2023

شمارہ ۴، جلد ۵، اکتوبر—دسمبر، ۲۰۲۳

یوسف القرضاوی کے فقہی تفردات کا تجزیاتی مطالعہ

Juristic Tafrrudat of Yusuf Al-Qaradawi: An Analytical Study

عرفان اللہ [1]

Keywords:
Yusuf Al-Qaradawi, Jurisprudence, Tafrrudat,Juristi

Abstract:

In the 20th century, *Allama Yusuf Al-Qaradawi* was a pioneering and well-known scholar. He is one of the academics who has played a significant role in solving contemporary religious issues in light of Shari'ah, particularly for *Muslims* who are minorities in non-Muslim countries, but in some cases, he adopted opinions against Jumhor point of view, so in this article I tried to discuss such opinions of Allama *Yusuf Al-Qaradawi* comparing with agreed perspective of *Ummah.*

[1]- مدرسہ تحسین القرآن ناصافی سنگولئ میدان، دیر پائن۔

موضوع کا تعارف

اُمت مسلمہ کی تاریخ میں ایسی قدآور شخصیات گزری ہیں، جنھوں نے اپنی تمام تر صلاحتیوں کو دین اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کر دیا اور اپنے عصر کے جدید مسائل پر تحقیق کر کے مسائل کا اسلامی شریعت کی روشنی میں حل پیش کیا ہے۔ اور یہ سلسلہ عصر حاضر میں بھی جاری ہے، بہت سے محققین دور حاضر میں پیش آمدہ مسائل کی تحقیق کرتے ہیں اور ان کا شرعی حکم بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

چونکہ ایک محقق کی تحقیق اس غواص (غوطہ خور) کی مانند ہوتی ہے جو گہرے پانی کی تہہ میں اُتر کر موتی تلاش کر کے لاتا ہے۔ اس کی ہر کوشش کسی نئے اور پہلے سے قیمتی گوہر کی متلاشی ہوا کرتی ہے۔ ایک محقق بھی علم کے بحر وذخار سے موتی تلاش کرنے کی جستجو کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس پر کئی عقدے بھی منکشف ہوتے ہیں، اور اہدافِ علم کی نشاندہی بھی ہوتی ہے، جو اسے مزید گہرائی میں اُترنے کی دعوت دیتی رہتی ہے۔ کیوں کہ غواص اور محقق دونوں غوطہ خور ہیں۔ دونوں کا دائرہ عمل سمندر ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک پانی کے سمندر میں اُترتا ہے اور دوسرا علم کے سمندر میں۔ ایک کا سمندر محدود اور دوسرے کا لامحدود ہے، دونوں موتی تلاش کرتے ہیں ایک کے تلاش کردہ موتی انسانی جسم کی زینت بنتے ہیں، جب کہ دوسرے کے موتی شعور وادراک کو لازوال جلال عطا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے محقق کی کاوش ابدی ہوتی ہے جبکہ غواص کی عارضی۔

بڑے بڑے محققین اور اہل علم کے بھی تفردات اور شاذ اقوال ہوتے ہیں، لیکن علماء کرام نے تفردات کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اہل علم کے تفردات اور شاذ اقوال پر عمل نہ کیا جائے، خواہ تفردات کا حامل کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو، اہل علم کے تفردات سے حتی الوسع اجتناب کیا جائے۔ چونکہ کوئی انسان بھی غلطی سے مبرا نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے علمائے سلف سے بھی مختلف اوقات میں لغزشیں سرزد ہوئی ہیں اور معاصر علماء سے بھی سرزد ہو رہی ہیں، لیکن اس کے بعد دوسرے علماء کرام نے ان اجتہادی لغزشوں پر گرفت بھی کی، اور تصحیح کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور قیاس فاسد اور اجتہاد ناقص کو ترک کر کے قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی بھی کی ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی مرحوم دور حاضر کے بڑے محقق اور مفتی ہیں۔ موصوف ان علماء میں شامل ہیں، جنھوں نے عصر حاضر میں معاشرے کے دینی مسائل کو اسلامی شریعت کی روشنی میں حل کیا ہے، اور بالخصوص ان مسلمانوں کے لئے ان کی بڑی خدمات ہیں، جو غیر مسلم ممالک میں اقلیت میں ہیں، اور یہ خدمات تاحال جاری ہیں۔ اس دوران میں موصوف سے کچھ اجتہادی لغزشیں بھی سرزد ہوئی ہیں، ان اجتہادی لغزشوں پر مقتدر علمائے امت نے گرفت بھی کی ہے، نقد بھی کیا اور تصحیح کی کوشش بھی کی، لیکن ابھی تک موصوف کے تفردات وشاذ اقوال (یعنی وہ آراء جو اہلسنت والجماعت کی اجتماعی آراء سے مخالف، انفرادیت پر مبنی ہوں) پر تفصیلی کام نہیں کیا گیا ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر موصوف کے تفردات اور اقوال کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ اور جن مسائل میں انکی آراء اور اقوال شاذ تصور کی جاتی ہیں ان کا تحقیقی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا تعارف اور فقہی خدمات

ڈاکٹر محمد یوسف بن عبداللہ القرضاوی جمہوریہ مصر کے ایک گاؤں ''صفت تراب'' میں ۹ ستمبر ۱۹۲۶ کو پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے اور ان کے پرورش ان کے چچا نے کی۔ دس سال سے کم عمر میں انہوں نے قرآن پاک حفظ کیا اور تجوید مکمل کی، پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کی تعلیم انہوں نے جامعہ ازہر سے ملحق ''معہد العلوم الاسلامیة'' سے حاصل کی، اور اپنے ساتھیوں میں سب سے آگے رہے۔ بعد ازاں جامعہ ازہر میں عربی زبان وادب کے شعبہ سے ۱۹۵۴ء میں اپنی گریجویشن مکمل کی۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے ''معہد الدراسات العربیة العالیة فی اللغة والأدب'' سے ڈپلومہ حاصل کیا۔ ۱۹۶۰ء میں جامعہ

ازہر ہی میں کلیہ اصول الدین سے اپنا ایم اے (MA) مکمل کیا۔ جبکہ ۱۹۷۳ء میں اسی کلیہ سے "الزكاة وأثرها فی حل المشاكل الاجتماعية" کے عنوان سے پی ایچ ڈی (PHD) مکمل کی۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ایک مدت تک مصر کی مختلف مساجد میں تبلیغ اور تدریس کے فرائض سرانجام دیئے، اسی طرح مصر کی وزارت اوقاف سے منسلک انسٹی ٹیوٹ آف امامز (Institute of Imams) میں نگرانی کے فرائض سرانجام دیئے۔ انہوں نے ۱۹۶۱ء میں قطر کی طرف ہجرت کی اور انہیں وہاں کی شہریت مل گئی۔ ۱۹۷۷ء میں انہوں نے قطر یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ اور علوم شرعیہ کی فیکلٹی کی بنیاد رکھی، اور اس کے پہلے ڈین (dean) مقرر ہوئے اور ۱۹۹۰ء تک اس کے ڈین رہے۔ اسی سال انہوں نے قطر میں ہی" مركز بحوث السنة والسيرة النبوية" کی بنیاد رکھی اور تاحال اس کے مدیر ہیں۔ علاوہ ازیں قرضاوی صاحب یورپین ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے آئرلینڈ میں قائم یورپین فقہی مجلس یعنی "المجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث" کے صدر ہیں۔ شیخ قرضاوی مصر میں قائم فقہ اکیڈمی "مجمع البحوث الإسلامية" کے رکن ہیں۔ شیخ قرضاوی مکہ مکرمہ میں قائم رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت فقہی اکیڈمی "مجمع الفقه الإسلامی" کے بھی رکن ہیں۔ علاوہ ازیں قطر اسلامی بینک (قطر) اور فیصل اسلامی بینک (بحرین) کی شریعہ ایڈوائزنگ کمیٹی کے سربراہ ہیں۔ شیخ یوسف قرضاوی سوئٹزرلینڈ میں قائم بینک "التقوى" کے اساسی شیئر ہولڈر اور شریعہ ایڈوائزر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کویت میں قائم زکوۃ کے عالمی ادارے "الهيئة الشرعية العالمية للزكاة" کے نائب صدر ہیں۔ اسی کے علاوہ قرضاوی صاحب عالم اسلام کی کئی معروف عالمی فقہ اکیڈمیوں، علمی مجالس اور تعلیمی اداروں کے سربراہ اور رکن رہے ہیں۔2

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی فقہی خدمات:

ڈاکٹر یوسف القرضاوی علمی، انتظامی، ثقافتی، ادبی، شاعری اور دعوتی شعبوں میں کام کرنے کے علاوہ، وہ امت مسلمہ میں ایک مفتی اور فقیہ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی علمی و فقہی کاوشوں کو اللہ تعالی نے غیر معمولی مقبولیت عطا کی ہے۔ ان کی تصنیفات کے ترجمے دنیا کی مختلف بین الاقوامی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ان کے علم میں گہرائی اور نظر میں وسعت پائی جاتی ہے۔ وہ دورِ حاضر کے حالات، مسائل اور پیچیدگیوں سے واقف ہیں اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل پیش کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے اور علمی سطح پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام بہترین نظام حیات ہے۔ فقہ کے میدان میں وہ کسی فقہی مکتب فکر کے پابند نہیں ہیں۔ وہ پورے فقہی ذخیرہ سے استفادہ کرتے ہیں اور جس فقہی رائے کو کتاب وسنت سے ہم آہنگ پاتے ہیں اسے ترجیح دیتے ہیں۔ اس کو اختیار کرنے اور اسے پیش کرنے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ تاہم اگر ان کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر ان کی رائے فقہ حنفی کے مطابق ہوتی ہے۔ ان کی ہر رائے انتہائی مدلل اور منطقی ہوتی ہے، وہ براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور اسلاف کے اقوال سے اپنی رائے کو تقویت پہنچاتے ہیں، کہیں کہیں ان کے ہاں اجتہادی رنگ بھی نظر آتا ہے۔ فقہی مسائل میں ان کے ہاں تشدد نہیں ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا رجحان یہ ہے کہ شریعت نے کسی مسئلہ میں آسانی یا سہولت فراہم کی ہے، تو اس سے فائدہ اٹھایا جائے، سختی اور تنگی کی راہ نہ اختیار کی جائے۔ ان کی تحریریں اس خیال کی تردید کرتی ہیں کہ دین ناقابل عمل ہے۔ انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دین میں حالات وظروف کی پوری رعایت ہے، اور ہر دور میں اس پر آسانی سے عمل ہو سکتا ہے۔ فقہی آراء میں اختلاف کی گنجائش رہتی ہے۔ علامہ قرضاوی کی آراء سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن

2۔ یوسف القرضاوی، السيرة الذاتية، تاریخ رسائی: 7 نومبر 2023۔

-https://www.al-qaradawi.net/content/A9_ 22 NOV 2021.

اس کے باوجود ان کی فقہی کتب بڑی قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ان کے فتاوی جات کی حیثیت ایک مستند عالم دین کے فتاوی کی ہے۔البتہ بعض مسائل میں ان کا نقطہ نظر اور ان کے دلائل قابل غور ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی چند اہم فقہی کتب

ڈاکٹر یوسف القرضاوی بہت سی فقہی کتب کے مصنف ہیں، جنہیں عالم اسلام میں قبولیت اور پذیرائی حاصل ہے،ان کی کتابوں اور تحریروں کا جائزہ لینے والے کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ایک حقیقی مفکر اور مصنف ہیں، جو اپنے آپ کو نہیں دہراتے، دوسروں کی تقلید نہیں کرتے،اور ایسے موضوعات کو ہاتھ نہیں لگاتے جس میں کسی نئی تحقیق کو شامل کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ذیل میں ان کی چند مشہور کتب کا ذکر ہے۔

1-الحلال والحرام في الإسلام۔	2-زواج المسيار۔
3-فتاوى معاصرة۔ الجزء الاوّل	4-فتاوى معاصرة الجزء الثاني
5-فتاوى معاصرة -الجزء الثالث۔	6-الإجتهاد في الشريعة الإسلامية۔
7-مائة سؤال عن الحج والعمرة والأضحية۔	8-تيسير الفقه: فقه الصيام۔
9- الغناء والموسيقى في ضوء الكتاب والسنة۔	10-الفقه الإسلامي۔
11-الفتوى بين الإنضباط والتسيب۔	12-الاجتهاد المعاصر۔
13-مدخل لدراسة الشريعة الإسلامية۔	14-من فقه الدولة في الإسلام۔
15-تيسير الفقه للمسلم المعاصر -الجزء الأول۔	16-نحو فقه ميسر معاصر۔
17- تيسير فقه الصيام۔	18-فقه الأقليات۔
19-فوائد البنوك هي الربا الحرام۔	20-بيع المرابحة للآمر بالشراء۔
21-فقه الزكاة -الجزء الأول۔	21-فقه الزكاة -الجزء الثاني۔

ان کے علاوہ بھی ڈاکٹر صاحب کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کا تعلق دین کے مختلف شعبوں سے ہے۔

تفرد کا مفہوم

لفظ تفرد،اسم ہے، جس کا معنی ایک، تنہا اور اکیلا کے ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے:

ربِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِين3اور اسی طرح ارشاد ہے:"وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا4"علماء لغت نے تفرد کے بہت سے معانی ذکر کیے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

ابن درید فرماتے ہیں کہ:

الفرد الواحد،والله تبارك وتعالى الفرد،وكل شيء متوحدفقدانفرد،وكأن أصل الفرد:الذي لانظير له وظبيةفاردة،الجمع فوارد، إذا انقطعت عن قطيعها وانفردت...[5]فرد تنہا چیز کو کہتے ہیں،اللہ تبارک تعالی فرد یعنی یکتا ہے،جو چیز بھی واحد ہو گی تو وہ منفرد ہو گی،

3۔ القرآن 89:21۔

4-القرآن 19:95۔

5- محمد بن حسن ابن درید، جمهرة اللغة(بیروت:دار الكتب العلمية ، 2005)،1،ص75۔

گویا کہ فرد کی اصل یہ ہے کہ وہ بے مثال ہوتا ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی. "ظبية فاردة" اس ہرنی کو کہتے ہیں جو ریوڑ سے جدا ہو کر تنہا رہ جائے، اس کی جمع فوارد ہے.

محدثین کے نزدیک بھی تفرد اس حدیث کو کہا جاتا ہے کہ جو حدیث کسی ایک سند سے مروی ہو اور اس کے شاھد اور متابع نہ ہوں، اور راوی کا تفرد یہ ہے کہ کوئی راوی اکیلا کسی معین شیخ سے روایت کرے اور اس شیخ سے کوئی دوسرے راوی نے روایت نہ کی ہو یعنی راوی کا شیخ مجہول ہو، اور تفرد اس حدیث کو بھی کہا جاتا ہے جس میں راوی سند یا متن میں زیادۃ کریں اور یہ زیادۃ اس کے علاوہ کسی اور راوی نے نہ کی ہو، اور تفرد اس حدیث کو بھی کہا جاتا ہے جو صرف ایک شہر والوں سے مروی ہو۔6

اسی طرح اصطلاح فقہ میں تفرد کی تعریفات علماء کرام نے اس طرح بیان کی ہیں:

1. المفردات(التفردات)هى المسائل التى انفرد بالفتوى فيهاالإمام أحمد(يعنى أحد أئمة المذاهب)عن بقية المذاهب،بحيث لم يوجد منهم له فيها مشارک[7]۔ ترجمہ: ایسے مسائل جن میں کسی ایک امام نے تنہا فتویٰ دیا ہو، باقی مذاہب میں سے کوئی امام اس کے ساتھ شامل نہ ہو.
2. المفردات(تفردات)هى المسائل الفقهية التى انفرد فيها أحد الأئمة الأربعة بقول مشهور فى مذهبه ،لم يوافقه فيه أحد من أئمة الثلاثة الباقين[8]"۔ ترجمہ: ایسے فقہی مسائل جن میں چاروں ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک نے فتویٰ دیا اور یہ ان کا مشہور مذہب ہو، جس میں باقی تین ائمہ میں سے کسی نے ان کی موافقت نہ کی ہو.
3. المسائل الفقهية التى خالف فيها أحدالمذاهب الأربعة فى القول المعتمد المشهور فى المذهب، الأقوال المعتمدة المشهورة فى المذاهب الثلاثة الباقية۔[9]ترجمہ: ایسے فقہی مسائل جن میں چاروں فقہی مذاہب میں سے کسی ایک نے مذہب کے مشہور و معتمد قول میں باقی تین فقہی مذاہب کے مشہور و معتمد اقوال میں مخالفت کی ہو.

یہ تعریفات تفرد کی جامع تعریفات نہیں ہیں، کیونکہ ان میں فتویٰ میں امام مذہب کے تفرد کا ذکر ہے اور تفرد کو ائمہ اربعہ کے اقوال میں منحصر کیا گیا ہے، حالانکہ تفرد صرف ائمہ مذاہب کیساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ تفرد ہر اس مجتہد کے قول کو کہا جاتا ہے جو دیگر ائمہ کے اقوال سے مختلف ہو، خواہ وہ ایک مذہب کا امام ہو یا عام مجتہد ہو۔ آخری تعریف میں تو اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ تفرد اس قول کو کہا جاتا ہے جس میں کسی ایک مذہب کا قول اور فتویٰ باقی تمام مذاہب کے اقوال و فتاوی جات سے منفرد ہو خواہ وہ قول اور فتوی اپنے مذہب میں معتمد ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ تفرد کسی مسلک کا قول معتمد نہیں بن سکتا۔

اصطلاح فقہ میں لفظ تفرد کوئی خاص اصطلاح نہیں ہے بلکہ ہر جگہ لغوی معنی میں مستعمل ہے بعض جگہ کسی ایک مسلک کی انفرادی رائے کو تفرد کہا جاتا ہے خواہ مذہب کے لوگ اس انفرادی رائے کو معتمد ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں، جیسا کہ مندرجہ بالا تعریفات میں مذکور ہے۔ اور قدیم فقہاء کرام کی کتب میں اس کی بہت مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز میں قہقہہ لگایا تو اس کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ "اللباب في الجمع بين السنة

6- عبدالجواد حمام، التفرد فى رواية الحديث(بيروت:دار النوادر، 2008)، ص89۔

7- سالم ثقفی، مفاتيح الفقه الحنبلى،(بيروت:دار النوادر، 2002) ج 2، ص236۔

8- منصور بن یونس بوتی، المنح الشافيات بشرح مفردات الإمام أحمد(اشبيليا:دار كنوز للنشر والتوزيع 2007)، ج1، ص15۔

9- زبیر صالح معتوق، تفردات المذهب المالكى فى فرق النكاح، ص11۔

والکتاب''میں ہے کہ یہ ہمارا تفرد ہے:''فهذه مسألة تفرد بها أصحابنا اتباعا لهذا الحديث وتركوا القياس من أجله''[10]اوراس کے باوجود کتاب کے مصنف نے اس رائے کا دفاع بھی کیا ہے اور ابھی تک احناف کے نزدیک راجح رائے بھی یہی ہے۔یعنی تفرد کو اس معنی میں استعمال کیا ہے کہ یہ مسلک صرف احناف کا ہے کوئی دوسرا مسلک احناف کے ساتھ اس رائے میں شریک نہیں ہے۔ فقہ کی کتب میں لفظ تفرد صرف لغوی معنی میں مستعمل ہے کوئی الگ اصطلاح نہیں۔دور حاضر میں علماءدین کے نزدیک تفردات کی جو اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کہ یہ فلاں محقق کے تفردات ہیں اور یہ فلاں کے تو اس کے ساتھ ہی وہ حالتیں بھی ذکر کرتے ہیں کہ کس بندے کے کس حیثیت کے قول کو تفرد کہا جائے گا۔ جس کا مجموعی خلاصہ یہ کہ ''کوئی ایسا عالم جو جملہ علوم وفنون میں کامل دسترس رکھتا ہو،اس کا علم، تقوی اور خلوص مسلم ہو،اصول وفروع میں اہل حق کا تابع ہو،اگر کسی مسئلہ میں جمہور امت سے الگ رائے اختیار کرے تو اس کی انفرادی رائے کو تفرد یا شاذ کہا جائے گا۔اس وجہ سے زیر نظر کاوش کے عنوان''یوسف القرضاوی کے فقہی تفردات کا تجزیاتی مطالعہ''میں تفرد کا مفہوم پہلے لغوی معانی سے مشابہ ہے یعنی موصوف کی وہ انفرادی آراء،اقوال اور فتاویٰ جات جو کہ جمہور امت اور اہل سنت اوالجماعت کی راجح آراء سے مختلف ہوں،ان اقوال،آراءاور فتاوٰجات کو ہم تفرد اور شاذ کا نام دے سکتے ہیں۔

علماءدین کے نزدیک تفرد قابل اتباع نہیں ہوتا بلکہ قابل رد ہوتا ہے،البتہ اس کے قائل کے یعنی صاحب تفرد کے علمی مرتبہ اور مقام کے پیش نظر اسے اس تفرد میں معذور سمجھا جاتا ہے۔لیکن جب تفرد اختیار کرنے والا قبل ان اوصاف سے خالی ہو تو وہ تفرد نہیں گمراہی کا ذریعہ ہوگا۔

1. چونکہ موجودہ زمانے کے بعض اہل ھویٰ واہل ضلال اپنی گمراہیوں کو تفرد کہہ کر جواز کا درجہ عطاء کرنے کی کوشش کرتے ہیں،یا اہل حق میں سے کسی عالم کے تفردات کو گمراہی سمجھتے ہیں،لہذا تفرد اور ضلالت میں مندرجہ ذیل فروق کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کس کے قول کو تفرد اور کس کو گمراہی کہتے ہیں۔
2. تفرد اس شخص کی رائے کو کہتے ہیں جس کا تقوی وللہیت مسلم ہو،ہر خواہش پرست، نفس کے بندے اور اباحت پسند کی خواہشات کو ہر گز تفرد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔
3. تفرد اس عالم باعمل کے انفرادی قول کو کہتے ہیں جس کی شخصیت اہل علم کے ہاں مسلم ہو اور جس شخص کی شخصیت جمہور اہل علم کے ہاں متنازع اور مشکوک ہو اس کے قول کو تفرد نہیں کہا جاسکتا۔
4. صاحب تفرد اجماع کا قائل ہوتا ہے،جمہور امت کی اتباع کی دعوت دیتا اور خود بھی اسی کی اتباع کرتا ہے،البتہ ایک آدھ مسئلہ میں اس سے لغزش ہو جاتی ہے۔ جبکہ صاحب ضلالت یعنی گمرہی پھیلانے والے شخص کا مقصد ہی اجماع امت کی دیوار کو توڑنا ہوتا ہے۔وہ اجماع کا انکار کرتا جمہور کی اتباع کا مذاق اڑاتا اور ہر مسئلہ میں اپنی انفرادیت قائم کرنے کا شوق رکھتا ہے۔
5. تفرد ہمیشہ کسی فردی واجتہادی مسئلہ میں ہوتا ہے جبکہ صاحب ضلالت اصول وقطعیات میں کبھی ٹانگ اڑاتا اور اصول کو فروع کے دائرے میں گھسانے کی کوشش کرتا ہے۔یاد رہے کہ صاحب تفرد کے شخصی مقام علمی رسوخ و تفوق، تقوی وتواضع اور مقبولیت کے باوجود اس کا تفرد علماءدین کے نزدیک قابل اتباع نہیں ہوتا بلکہ اس کے تفرد کو رد کر کے عمل جمہور امت اور اہل علم کے قول پر ہی کیا جاتا ہے۔

10-علی بن زکریا منجی،اللباب في الجمع بين السنة والكتاب، باب القهقهة تنقض الوضوء،(دمشق:دارالقلم،1994)،ج1،ص115۔

مذکورہ بالا فروق کو مد نظر رکھتے ہوئے صاحب علم و عقل اس بات پر آمادہ ہو گا کہ یوسف القرضاوی کی وہ انفرادی آراء جو کہ ائمہ جمہور کی آراء کے خلاف ہیں، وہ گمراہی نہیں بلکہ تفردات ہیں کیونکہ موصوف کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد کے متصادم بھی نہیں ہیں اور نہ ان کے اصول جمہور اہل حق کے اصول سے متصادم ہیں۔ اور وہ اجماع کو بطور دلیل ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے ان کے تفردات اور شاذ اقوال کو گمراہی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تفردات پر عمل کرنے سے متعلق علماء کے اقوال:

بڑے بڑے محققین اور اہل علم کے بھی تفردات اور شاذ اقوال ہوتے ہیں لیکن علماء کرام نے تفردات کے بارے میں بڑا سخت موقف اختیار کیا ہے کہ اہل علم کے تفردات اور شاذ اقوال پر عمل نہ کیا جائے خواہ تفردات کا مالک کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو اور اہل علم کے تفردات سے حتی الوسع اجتناب کیا جائے، حتی کہ بعض علماء کرام نے اس حد تک سخت موقف اختیار کیا ہے کہ کسی شخص کے تفردات پر عمل کرنے سے آدمی اسلام سے خارج ہو سکتا ہے یا گمراہی میں پڑ سکتا ہے۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص علماء کرام کے اقوال نادرہ و شاذہ پر عمل کرے وہ اسلام سے خارج ہو گا۔ محمد بن شعیب فرماتے ہیں کہ:

سمعت الأوزاعي يقول:من أخذ بنوادر العلماء خرج من الإسلام۔[11]

اسی طرح محدث مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں: وصدق من قال من تتبع شواذ العلماء ضل، ومن حمل الشاذ حمل شراً كبيرا۔[12] جو شخص علماء کرام کے شاذ اقوال کی اتباع کرے وہ گمراہ ہو گا، اور شاذ عمل اور قول کو لینا اور اختیار کرنا بڑا شر اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح مفتی محمد شفیع عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء کرام نے محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا، تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے۔[13] اسی طرح مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بڑے عالم گزرے ہیں، البتہ انہوں نے بعض مسائل میں جمہور فقہاء و محدثین اور علماء امت سے اختلاف کیا ہے۔ جمہور امت نے ان کے تفردات کو قابل عمل نہیں سمجھا۔[14] اس لئے معاصر علماء کرام کسی بھی شخص کی شاذ اور انفرادی رائے پر فتوی نہیں دیتے اور اس حوالے سے بہت سخت موقف اختیار کیا ہے۔ اگرچہ تفردات اختیار کرنے والا بڑا عالم کیوں نہ ہو اس کے تفردات پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اہم بات یہ ہے کہ جس مقلد کو اللہ تعالی نے قوت اجتہاد عطا فرمائی ہے اور وہ اپنے قوت اجتہاد کے ذریعہ سے شریعت کے تمام نصوص و دلائل کو صحیح طریقہ سے سمجھنے پر قدرت رکھتا ہو، تو ایسے شخص کا اپنے مذہب سے کسی مسئلہ میں اس طور پر عدول کرنا کہ وہ اپنی قوت اجتہاد کے ذریعہ سے نصوص و دلائل پر غور کرنے کے بعد کسی جزئی مسئلہ میں اپنے مذہب کے مقابلہ میں غیر کے مذہب کو راجح سمجھتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے بلا ضرورت محض دلائل کی روشنی میں مذہب غیر کو اختیار کر لینا جائز ہے، اگرچہ اس کے اس عمل کی وجہ سے تلفیق بھی لازم آ رہی ہو، پھر بھی اس کے لئے جائز ہے اور یہ اس کا تفرد ہو گا۔ اور مجتہد مقید کے اس طرح کے عدول کو علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

11-احمد بن حسین ابو بکر بیہقی، السنن الکبری، باب ما تجوز به شهادة أهل الأهواء، (بیروت: دار الكتب العلمية، 2003)، ج20918۔

12-محمد یوسف بنوری، معارف السنن، باب ماجاء فی الصلوٰة فی النعال، (کراچی: مجلس الدعوة والتحقيقات الاسلاميه)، ج4، ص19۔

13-عبد الروف، مجالس مفتی اعظم (ادارۃ المعارف کراچی ط 1999ء) ص624۔

14-محمد تقی عثمانی، فتاوی عثمانی، کتاب السیر والمناقب، (مکتبہ معارف کراچی، 2020)، ج1، 301 فتوی نمبر: 1662۔

العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار، وهو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليها وإن كان مخالفا لمذهبه،قلت: لكن بذا في غير موضع الضرورة۔[15] ترجمہ: ایسا عالم جو نصوص شرعیہ اور احادیث شریفہ کے مطالب پر واقف ہے اور وہ دلائل کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو اس کے لئے اپنے اجتہاد اور رائے کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، اگرچہ اس کا یہ اجتہاد اپنے مذہب کے مخالف کیوں نہ ہو جائے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ضرورت کے مواقع میں نہ ہو۔

اور اسی طرح البحر الرائق کے حاشیہ "منحة الخالق" میں علامہ شامی نے اس طرح نقل فرمایا ہے: إن مثل المحقق له أن يقول ذلك: لأنه أهل النظر في الدليل[16] ترجمہ: یقیناً محقق جیسوں کے لئے مذہب غیر کو اختیار کرنے کی اجازت ہے، کیوں کہ وہ دلیل میں غور و فکر کی اہلیت رکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے: "وإن لم يتكامل له الأدوات كما يتكامل للمجتهد المطلق فيجوز لمثله أن يلفق من المذببين إذا عرف دليلهما"[17] ترجمہ: اور اگر اس میں وہ شرائط و لوازمات مکمل طور پر نہ پائے جاتے ہوں، جس طرح مجتہد مطلق میں مکمل طور پر موجود ہوتے ہیں، تو اس جیسے مجتہد کے لئے دو مذہبوں کے درمیان تلفیق کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ دونوں مذاہب کے دلائل سے خوب واقف ہو۔

مذکور عبارات سے جو معنی اخذ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مجتہد اور محقق اگر دلائل اور تحقیق کی بنیاد پر اپنے مذہب سے عدولی یا غیر مسلک اور مذہب اختیار کرے تو یہ جائز ہے۔ البتہ دوسری طرف اگر کسی بندے میں مجتہد اور محقق کے اوصاف اور شرائط نہ ہوں تو اس کے لئے عالم محقق کے تفردات اور شاذ اقوال پر عمل کرنا مشروع نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ جمہور یا اپنے مسلک کے امام کے اقوال اور اراء پر عمل کریں۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ جو بھی اور جس کا بھی تفرد ہو یا کسی دینی پہلوؤں کے متعلق تحقیق ہو تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈال کر تولنے کی ضرورت ہو گی اور ائمہ و مجتہدین کی آراء اور استدلالت کی روشنی میں معاشرے کی اصلاح اور بہبود کے لئے نافذ کرنے کی کوشش ضروری ہے۔

اس لئے موصوف کے تفردات اور اقوال کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا اور جن مسائل میں ان کی آراء جمہور ائمہ سے مختلف ہوں گی، ان کا تحقیقی تجزیہ پیش کیا جائے گا کہ وہ کون سے ایسے مسائل ہیں جو کہ مصنف نے بیان کیے ہیں اور وہ عمل کرنے کے قابل نہیں ہیں یا جس پر علماء امت نے نقد کیا ہے۔

یوسف القرضاوی کے چند اہم تفردات و شاذ آراء

ڈاکٹر یوسف القرضاوی تمام مسائل میں براہ راست قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں، وہ کسی بھی فقہی مکتب فکر کے پابند نہیں ہیں بلکہ وہ پورے فقہی ذخیرہ سے استفادہ کرتے ہیں اور جس فقہی رائے کو کتاب و سنت سے ہم آہنگ پاتے ہیں، اسے ترجیح دیتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کے ہاں اجتہادی رنگ بھی نظر آتا ہے، چونکہ ایک انسان بھی غلطی سے مبراء نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے علمائے سلف سے بھی مختلف اوقات میں غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور معاصر علماء سے بھی سرزد ہوتی جارہی ہیں۔ موصوف سے بھی مسائل کا اسلامی حل بیان کرتے وقت کچھ اجتہادی لغزشیں سرزد ہوئی ہیں، کبھی ان کی رائے جمہور فقہاء کرام کی رائے کے مخالف ہوتی ہیں اور کبھی صریح نصوص سے متصادم نظر آتی ہے، ذیل میں ڈاکٹر القرضاوی کے بعض تفردات و شاذ آراء کی فہرست ذکر کی گئی ہے:

1) وہ مجسمہ جس کی تعظیم مقصود نہ ہو جائز ہے۔

15- محمد امین ابن عابدین شامی، رد المحتار على الدر المختار (بیروت: دار الفكر، 1992)، ج1، ص74۔

16- ابن عابدین شامی حنفی، منحة الخالق على هامش البحر، ج2، ص280۔

17- شاہ ولی اللہ دہلوی، حجة الله البالغة (بیروت: دار ابن كثير، 2008) ج1، ص157۔

(الحلال والحرام فی الاسلام: ص۱۳۶)

2) کپڑے پر بنائی گئی تصویر حرام نہیں۔

(الحلال والحرام فی الاسلام: ص۱۴۳)

3) عورت شوہر کے مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے خواہ اس دوران مرد و عورت ایک دوسرے کو دیکھتے کیوں نہ ہوں۔

(الحلال والحرام فی الاسلام: ص۲۱۷)

4) شہوت کے بغیر عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہے۔

(فتاوی یوسف القرضاوی: ج۱، ۲۱۴)

5) والدین اگر غریب ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(فتاوی یوسف القرضاوی: ۱ص۱۵۶)

6) حاملہ عورت سے زیادہ روزے قضاء ہنے کی صورت میں ان روزوں کی قضالا ناضروری نہیں بلکہ فدیہ دینا بھی کافی ہے۔

(فتاوی یوسف القرضاوی: ۱ص۱۶۹)

7) زمین کو اجارہ پر دینا حرام اور مزارعت پر دینا جائز ہے۔

(الحلال والحرام فی الاسلام: ص۳۵۰:۳۵۸)

8) عورتیں سیاست میں حصہ لے سکتی ہیں، حتی کے بڑا عہدا بھی سنبھال سکتی ہیں۔

(فتاوی یوسف القرضاوی: ج۲/۱۹۲)

9) سؤر اور کسی ناپاک جانور کے اندام کی انسانی جسم کے اندرونی حصہ میں پیوند کاری جائز ہے۔

(فتاوی یوسف القرضاوی: ج۲/۲۶۳، ۲۶۲)

10) غیر مسلم کو سلام میں پہل کرنا احسن بات ہے۔

(فتاوی یوسف القرضاوی: ج۲/۲۷۶)

11) گانا اور موسیقی اسلام نے مباح قرار دیا ہے۔

(الحلال والحرام فی الاسلام: صفحہ ۱۷۳۔ فتاوی یوسف القرضاوی میں تفصیلی بحث: ج۲/۲۴۶، ۲۳۳)

ایضاً (فتاوی یوسف القرضاوی ۱/۳۵۶)

12) گانا اور مجسمے منکر میں نہیں آتے۔

(فتاوی یوسف القرضاوی: ۲/۳۲

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے چند فقہی تفردات—ایک تجزیہ

ڈاکٹر یوسف القرضاوی دور حاضر کے ان محققین میں شامل ہیں جو معاشرے کو درپیش مسائل کا اسلامی حل پیش کر رہے ہیں، انہوں نے مسلم معاشرے کو یورپ میں اور اسلامی ممالک میں رہتے ہوئے حلال اور حرام کی تمیز کرنے کے متعلق جامع رہنمائی فراہم کی ہے۔

اس دوران میں ان سے بعض اجتہادی لغزشیں بھی صادر ہوئی ہیں۔ اسی طرح بعض مسائل میں ان کا نقطہ نظر جمہور اہل علم کی رائے سے الگ ہے۔ اس لئے اس باب میں قرضاوی صاحب کی ان آراء کا تجزیہ کیا جائے گا جو کہ جمہور فقہاء اہل سنت والجماعت کے آراء سے مختلف ہیں، جیسا کہ قرضاوی صاحب اہل کتاب کے ذبیحہ کو مطلقاً جائز سمجھتے ہیں، اسی طرح مجوسیوں کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لئے حلال ہونے کے قائل ہیں، علامہ قرضاوی فرماتے ہیں کہ والدین کو زکوٰۃ دینا درست ہے، غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل کرنا، گانا اور موسیقی سننا اور نامحرم عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح انہوں نے تصویر کو مباح اور زراعت کے لئے زمین کو اجارہ پر دینا ناجائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ طلاق بدعی ناجائز ہونے کے وجہ سے واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان کے نزدیک طلاق پر قسم کھانا جائز نہیں ہے اس وجہ سے اس طرح کا طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ذیل میں ان آراء کے بارے میں قرضاوی صاحب اور جمہور اہل علم کے نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد دلائل کے بنیاد پر علامہ یوسف القرضاوی کے مذکورہ آراء و تفردات کا قرآن وسنت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف وخلف کی آراء واجتھادات سمیت دیگر معتبر اور اہل علم کی آراء کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا

1۔ والدین کو زکوٰۃ دینا

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں جس میں فقراء اور اور مساکین بھی شامل ہیں، لیکن کیا والدین اگر غریب یا مسکین ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کے بارے میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ والدین اگر غریب ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ انہوں نے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے کہ:

وكذلك أبواه فهو جزء منهما،وإن كان شيخ الاسلام ابن تيميةؒ،أجاز للولد إذا كان أبواه فقيرين وكان لايستطيع أن يقوم بنفقتهاأجاز للولد أن يعطى زكاته لأبويه فى تلك الحال[18]،وهذا لا بأس به أيضاً۔[19] ترجمہ: اسی طرح اپنے والدین کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، کیونکہ ہر شخص اپنے والدین کا جزو ہوتا ہے۔ البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ والدین اگر فقیر ہوں تو ان کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ میرے نزدیک بھی ایسی صورت میں والدین کو زکوٰۃ کی رقم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ان کے فتاوی سے واضح ہے کہ اگر والدین فقیر ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

18- تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، مجموع الفتاوی، کتاب الزکاۃ، (مدینہ منورہ: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، 1995)، ج25 ص95۔

19- محمد یوسف بن عبد اللہ قرضاوی، فتاوی معاصرۃ (کویت: دار القلم، 2020)، ج1، ص247۔

جمہور کا مسلک:

زیر نظر مسئلے میں قرضاوی صاحب کا نقطہ نظر جمہور فقہاء اہل سنت والجماعت کی آراء سے الگ ہے، جمہور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ والدین اگرچہ غریب و مسکین کیوں نہ ہو ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اگر والدین فقیر بھی ہوں تو اولاد پر ان کا خرچہ لازم ہے۔ چنانچہ ابن قدامة الحنبلی ؒ نے ابن منذرؒ سے اجماع نقل کیا ہے کہ والدین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے:

قَالَ:(وَلَا يُعْطَى مِنْ الصَّدَقَةِ الْمَفْرُوضَةِ لِلْوَالِدَيْنِ،وَإِنْ عَلَوْا،وَلَا لِلْوَلَدِ،وَإِنْ سَفَلَ)قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى أَنَّ الزَّكَاةَ لَا يَجُوزُ دَفْعُهَا إلَى الْوَالِدَيْنِ، فِي الْحَالِ الَّتِي يُجْبَرُ الدَّافِعُ إلَيْهِمْ عَلَى النَّفَقَةِ عَلَيْهِمْ،-[20]

امام خرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (زکوٰۃ کی مال سے والدین اور اولاد کو نہیں دیا جائے گا، اوپر تک والدین کے والدین اور نیچے تک پوتوں کو)۔ ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کا مال والدین کو دینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ والدین کا نفقہ اٹھانے پر زکاۃ دینے والے کو مجبور کیا جائے گا۔

اسی طرح ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی نے مستحقین زکوٰۃ کی شرائط میں ذکر کیا ہے کہ: فلا تدفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا (أي الأجداد) والمولودين وإن سفلوا ۔[21]

عبارت کا مفہوم: مستحق (جس کو زکوٰۃ دینا ہے) مالک کے قریبی رشتہ داروں میں سے نہ ہو جس کے نان نفقہ زکوٰۃ دینے والے پر لازم ہو یعنی مستحق مالک کا ایسا قریبی رشتہ دار نہ ہو جس کے اخراجات مالک کو برداشت کرنے پڑتے ہوں اور شرعاً اس کو یہ اخراجات لازم ہو، جیسے قریبی رشتہ دار اور بیوی، اگرچہ بیوی عدت میں ہو، قریبی رشتہ دار کو زکوٰۃ کا مال دینے میں بھرپور تملیک نہیں ہوتے بلکہ ایک طرح سے اپنے اوپر ہی صرف کرنا لازم آتا ہے، یوں قریبی رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں اپنی ذات کے لئے جلب منفعت ہے، لہذا والدین اگرچہ اوپر چلے جاؤ (یعنی اجداد، دادا، دادی، نانا، نانی)، اولاد اگرچہ نیچے چلے جاؤ (یعنی پوتا، پڑپوتا وغیرہ) اور زوجات (بیویوں) کو زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا، حتیٰ کہ بیوی کو اگر طلاق بائن دی ہو اور وہ عدت میں ہو تب بھی اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی حتیٰ کہ طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہو حنفیہ کے نزدیک تب بھی زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، چونکہ مزکی (مالک زکوٰۃ) پر الگ سے ان کا نفقہ واجب ہے۔ اور زکوٰۃ دفع حاجت کے لئے دی جاتی ہے اور وجوب نفقہ کے ساتھ حاجت زکوٰۃ نہیں رہتی، نیز اس لئے بھی کہ قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھاتے ہیں۔ بلکہ شافعیہ کے نزدیک ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جس کا نفقہ مزکی کو لازم نہ ہوتا ہو بلکہ کسی اور کو لازم ہوتا ہو۔ چونکہ وہ شخص محتاج نہیں اس لئے کہ اس کا نفقہ ایک دوسرے شخص کو لازم ہوتا ہو جیسے روز کے روز بقدر کفایت کمائی والا شخص۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ والدین کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ محتاج کیوں نہ ہوں۔ قرضاوی صاحب کا نقطہ نظر جمہور علماء کرام اور اجماع کے مخالف ہے اور دلیل کی بنیاد پر کمزور بھی ہے، اگرچہ انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن اجماع اور جمہور علماء کے مقابلہ میں ان کی رائے قابل عمل نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد فقراء و مساکین کی ضروریات کو پورا کرنا ہے، اور یہاں یہ مقصد نہیں پایا جاتا۔ اولاد پر والدین کا خرچہ اور والدین کی ضروریات کو پورا کرنا لازم ہے، اگر کسی نے والدین کو خرچہ زکوٰۃ کے نام سے دیا تو یہ اس طرح ہے کہ گویہ اس نے اپنی زکوٰۃ کی رقم خود ہی استعمال کی۔ اس کے علاوہ اولاد اپنے والدین کا جزو ہوتی ہے۔ ان کا مال والدین کا بھی مال ہوتا ہے۔ تو کیسے اس مال کی زکوٰۃ والدین کو دی جاسکتی ہے۔

20- عبداللہ بن احمد، مشہور بابن قدامہ حنبلی، المغنی لابن قدامه الحنبلی (ریاض: دار عالم الکتب 1998)، ج4، ص98۔

21- وھبہ بن مصطفی زحیلی، الفقه الاسلامی وادلته (دمشق، دار الفکر، 2021)، ج1، ص198۔

2- غیر مسلموں کو سلام میں پہل کرنا

ڈاکٹر یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ غیر مسلموں کو سلام میں پہل کرنا اچھی بات ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ عمدہ اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو جائے، یعنی ان کا موقف یہ ہے کہ غیر مسلموں سے ملاقات کرنے وقت ان کو سلام تحیہ سے پہل کرنا جائز ہے، قرضاوی صاحب کا فتوی یہ ہے:

سوال:ماحكم معاملة أهل الديانات الأخرى من بدء السلام وغيره،سواء فى الشرق أو فى الغرب مع أن منهم رؤسالنا؟جواب:يقول الله تعالىٰ- فيما أخذ على بنى إسرائيل(وقولوا للناس حسنا[22]) وقال فيما شرع للمسلمين:(وقل لعبادى يقول التى هى أحسن[23]) ومن القول الحسن والأحسن بدؤهم بالتحية المناسبة، ومجاملتهم وحسن معاملتهم واعتبار ذلک من وسائل الدعوة لهم[24]۔ ترجمہ: باس یا انچارج اگر غیر مسلم ہو تو کیا اسے سلام کرنے میں پہل کی جاسکتی ہے؟ اللہ کا حکم ہے کہ (لوگوں سے اچھی بات کہو) ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی کا ارشاد ہیں کہ (اے محمدؐ میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہیں جو بہتر اور بھلی ہو) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلام میں پہل کرنا بھلی بات ہے۔ بہت ممکن ہے کہ غیر مسلم اس عمدہ اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو جائے۔ اس عبارت سے واضح ہے کہ قرضاوی صاحب غیر مسلموں پر سلام تحیہ میں پہل کرنے کو ترغیب دیتے ہیں، اور اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جمہور کا مسلک:

جمہور علماء کرام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ غیر مسلموں کو ابتداً سلام کے ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں ہے جو اہل اسلام اور اہل جنت کا تحیہ ہے یعنی ان کو مخاطب کر کے سلامتی کی دعا دینا اور السلام علیکم کہنا۔ البتہ اگر انہوں نے سلام کیا تو ان کے جواب میں وعلیکم یا علیکم کہنا جائز ہے۔ چناچہ ''الموسوعة الفقهية الكويتية'' میں ہے کہ:

ذَهَبَ الْحَنَفِيَّةُ إِلَى أَنَّ السَّلامَ عَلَى أَهْل الذِّمَّةِ مَكْرُوهٌ لِمَا فِيهِ مِنْ تعْظِيمِهِمْ۔۔۔وَيَحْرُمُ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ بُدَاءَةُ الذِّمِّيِّ بِالسَّلامِ ،وَبُدَاءَةُ أَهْل الذِّمَّةِ بِالسَّلامِ لاَ تَجُوزُ أَيْضًا عِنْدَ الْحَنَابِلَة[25]۔ ترجمہ: احناف کے نزدیک اہل ذمہ پر سلام کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان پر سلام کرنے میں ان کا تعظیم و تکریم لازم آتے ہے، اور شوافع کے نزدیک اہل ذمہ پر سلام کرنا مکروہ ہے اور حنابلہ کے نزدیک ان پر سلام کرنا جائز نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے زیر نظر مسئلے میں علماء کا اختلاف نقل کیا ہے لیکن اس کے بعد جواز والے قول کو شاذ قرار دے کر حرمت کے قول کو ترجیح دی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

22۔القرآن 83:2۔

23۔القرآن 53:17۔

24۔قرضاوی، فتاوی معاصرة:ج2، ص414۔

25- الموسوعة الفقهية الكويتية(كويت: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية ،1984)،ج25ص148-149۔

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي رَدِّ السَّلَامِ عَلَى الْكُفَّارِ وَابْتِدَائِهِمْ بِهِ فَمَذْهَبُنَا تَحْرِيمُ ابْتِدَائِهِمْ بِهِ وَوُجُوبُ رَدِّهِ عَلَيْهِمْ بِأَنْ يَقُولَ وَعَلَيْكُمْ أَوْ عَلَيْكُمْ فَقَطْ وَدَلِيلُنَا فِي الِابْتِدَاءِ قوله صلى الله عليه وسلم لاتبدأوا اليهود ولاالنصارى بِالسَّلَامِ[26] وَفِي الرَّدِّ قَوْلُهُ صلى الله عليه وسلم (اذا سلّم عليكم اهل الكتاب) فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ[27] ترجمہ: علماء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفار کو سلام کا جواب دینا اور ان پر سلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ہمارے مسلک میں ان پر سلام سے پہل کرنا حرام ہے اور ان کے سلام کا جواب دینا صرف وعلیکم یا علیکم کے الفاظ سے لازم ہے۔ ان پر سلام میں پہل کرنے سے متعلق ہمارے دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ یہود اور نصاری کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو۔ اور ان کو سلام کا جواب دینے کا دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ جب تمہیں اہل کتاب السلام علیکم کہیں تو تم ان کے جواب میں وعلیکم کہو۔

ان عبارت سے واضح ہے کہ اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلموں کو سلام میں پہل کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان پر سلام میں پہل کرنے کا شرعی حکم کیا ہے یعنی حرام ہے یا مکروہ ہے۔ اور حرام و مکروہ اہل علم کے نزدیک ناجائز ہی کو کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جن علماء نے جواز کا فتوی دیا ہے امام نوویؒ نے ان کی رائے کو رد کیا ہے کیونکہ صریح احادیث میں غیر مسلموں پر سلام میں پہل کرنا، ان کی تعظیم و تکریم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے جواز والے قول احادیث سے متصادم ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہے۔

قرضاوی صاحب کی رائے-ایک تجزیہ:

قرضاوی صاحب کی رائے صریح احادیث اور جمہور علماء کرام کے نقطہ نظر سے الگ ہونے کے وجہ سے قابل عمل نہیں ہے، جمہور اہل علم کی رائے راجح ہے کہ غیر مسلم کو سلام میں پہل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سلام اہلِ اسلام اور اہلِ جنت کا تحیہ ہے۔ البتہ اگر غیر مسلم سلام میں پہل کرے تو اس کو سلام کا جواب دینا چاہیے، لیکن جواب میں "وعلیکم السلام" پورا نہیں کہا جائے، بلکہ صرف "وعلیک" یا "علیک" کہنے پر اکتفا کیا جائے۔ اس کے علاوہ صریح احادیث میں غیر مسلموں پر سلام میں پہل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے اپنی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ، فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ، فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ۔[28] ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود اور نصاری کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو اور جب تمہیں ان میں سے کوئی راستہ میں ملے تو اُسے تنگ راستہ کی طرف مجبور کر دو۔

26- مسلم بن حجاج قشیری، محقق: محمد فؤاد عبدالباقی، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، (بیروت: دار احیاء التراث العربي، 2000)، ح2147۔

27۔ مسلم، صحیح مسلم: کتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، ح2143۔

28- مسلم، صحیح مسلم: کتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، ح2147۔

اس حدیث سے امام نوویؒ، ابن حجر العسقلانیؒ اور دوسرے محدثین نے استدلال کیا ہے کہ غیر مسلموں پر سلام کرنے میں پہل کرنا جائز نہیں ہے لہذا اس حدیث اور دوسری متعدد روایات سے (جو کہ امام نوویؒ اور ابن حجر العسقلانی [29] نے نقل کئے ہیں) واضح ہے کہ غیر مسلموں پر سلام کرنے میں پہل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ حکم تو غیر مسلموں کو سلامِ تحیہ کے حوالے سے ہے، البتہ غیر مسلموں کو لفظ "سلام" کے علاوہ دوسرے کوئی لفظ سے پہل کرنا جائز ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم حکمرانوں کو خطوط ارسال فرمائے تھے ان کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَلسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدىٰ[30]" کے الفاظ تحریر فرمائے، چناچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ عمومی احوال میں غیر مسلموں کو ابتداءً سلام نہ کیا جائے، ہاں اگر کسی موقع پر اس کی ضرورت ہو تو مخاطب کو متعین کیے بغیر عمومی الفاظ میں سلام کے الفاظ کہے جائیں جیسے "اَلسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدىٰ"، یعنی اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ لہٰذا ضرورت کے مواقع پر ابتداءً ان الفاظ میں سلام کرنے کی اجازت ہے۔

رہی یہ بات کہ قرآنِ مجید کی ان آیات کا کیا مطلب اور مصداق ہو سکتا ہے جن میں غیر مسلموں کے ساتھ سلام ہونے کا ذکر موجود ہے؟ تو مفسرین اور محدثین حضرات نے فرمایا ہے کہ قرآنِ پاک میں جن مقامات میں غیر مسلموں کو سلام کرنے کا تذکرہ ہے وہاں سلام سے مراد "سلام تحية" (دعائیہ سلام) نہیں ہے، بلکہ اس سلام سے مراد "سلامِ متاركه" ہے یعنی ہمارا آپس میں کوئی تعلق نہیں، تم ہم سے محفوظ ہم تم سے محفوظ ہیں۔ یہ ایک محاورہ ہے جس سے فریقین کے درمیان قطع تعلق کا بیان مقصود ہے، اور سلام کے الفاظ سے قطع تعلق اور متارکت میں یہ تربیت بھی مقصود ہے کہ سلامتی کی بات کے ذریعے ان سے جدا ہو جاؤ، نہ کہ لڑ جھگڑ کر، یا کسی اور بد تہذیبی کے ساتھ۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

وأجاب عياض عن الآية وكذا عن قول إبراهيم عليه السلام لأبيه بأن القصد بذلك المتاركة والمباعدة وليس القصد فيهما التحية وقد صرح بعض السلف بأن قوله تعالى وقل سلام فسوف يعلمون نسخت بآية القتال[31]۔ ترجمہ: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے آیت اور ابراہیم علیہ سلام کا اپنی باپ کو سلام کرنے سے یہ توجیح کیا ہے کہ اس سے مراد سلام تحیہ نہیں بلکہ سلام متارکہ اور مباعدہ ہے اور بعض سلف نے صراحت کیا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد "وقل سلام فسوف یعلمون" کا آیت قتال کے آیات سے منسوخ ہوا ہے۔

اسی طرح تفسیر مظہری میں سورۃ الزخرف کی یہ آیت:

(فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ) فَاصْفَحْ عَنْهُمْ اى فاعرض عن دعوتهم آيسا عن ايمانهم وَقُلْ سَلامٌ يعنى بيننا وبينكم متاركة تسلمون منا ونسلم منكم فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ[32]۔ ترجمہ: آپ ان کو دعوت دینے سے احتراز کیجئے، یہ ہر گز ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ ان کو بتائے کہ ہمارے مابین معاہدہ امن و سلامتی ہے۔ تم اہل اسلام کو ضرر نہیں پہنچاؤ گے، اور مسلمانوں سے تم کو ضرر نہیں پہنچے گیں۔ عن قریب وہ جان لیں گے۔

29- احمد بن علی بن حجر عسقلانی، فتح الباري شرح صحيح البخاري، قوله باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين، (بیروت: دار المعرفة، 1999)، ج11، ص35۔

30- محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحيح، كيف يكتب الكتاب إلى أهل الكتاب، (عمان: دار طوق النجاة، 2002)، ح424۔

31- احمد بن علی بن حجر عسقلانی، فتح الباري شرح صحيح البخاري، باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين، (بیروت: دار المعرفة، 1999)، ج11، 39۔

32- محمد ثناء اللہ مظہری، محقق: غلام نبی تونسی، تفسير مظهري (کوئٹہ: مكتبه الرشديه 2000)، ج8، ص244۔

اسی طرح مفتی محمد شفیع رحمۃاللہ سورہ زخرف کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ :"یہ جو فرمایا کہ کہہ دو تم کو سلام کرتا ہوں، اس سے مقصد یہ نہیں ہے کہ انہیں السلام علیکم کہا جائے، کیوں کہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کسی شخص سے قطع تعلق کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ میری طرف سے سلام، یا تمہیں سلام کرتا ہوں۔ اس سے حقیقی طور پر سلام کرنا مقصد نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں خوب صورتی کے ساتھ تم سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہوں، لہذا جن حضرات نے اس آیت سے استدلال کر کے کافروں کو السلام علیکم یا سلام کہنا جائز قرار دیا ہے ان کا قول مرجوح ہے"[33]۔

اسی طرح اس آیت کی تفسیر میں علامہ الزمخشری، علامہ الوسیؒ اور دوسرے مفسرین نے سلام کا یہی معنی مراد لیا ہے کہ سلام سے مراد سلام متارکہ ہے۔ اسی طرح سورۃ قصص کی آیت(وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ[34]) کی تفسیر میں علامہ الوسیؒ، علامہ زمخشری ، علامہ ابن جوزی اور دوسرے بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ سلام سے مراد سلام متارکہ ہے اور سلام تحیہ اس سے مراد نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں جتنی بھی آیات میں کفار کے ساتھ سلام کا تذکرہ اس سے مراد مفسرین نے سلام تحیہ نہیں لیا ہے بلکہ سلام متارکہ مراد لیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قرضاوی صاحب کی رائے صحیح احادیث سے متصادم ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہے۔ لہذا اسلام تحیہ سے کسی غیر مسلم پر پہل کرنا جائز نہیں ہے۔

3-اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنا

ڈاکٹر یوسف القرضاوی عورتوں کے مصافحہ جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن وسنت میں کوئی واضح دلیل نہیں ہے جس کی وجہ سے عورتوں سے مصافحہ کو ناجائز قرار دیا جائے، جن حضرات نے عورتوں سے مصافحہ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے ان کی طرف سے زیادہ سے زیادہ یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ یہ عمل باعث فتنہ ہے اور اس فتنہ کی وجہ سے اس عمل کو جائز نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن یہ عمل اس وقت باعث فتنہ ہو سکتا ہے جب مصافحہ جنسی لذت کی خاطر کیا جائے اور جنسی لذت کی خاطر مصافحہ کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ وہ جائز نہیں ہے لیکن اگر مصافحہ جنسی لذت کی خاطر نہ ہو بلکہ رسم ورواج کی وجہ سے اور روایاتی انداز میں کیا جائے تو اس میں کسی قسم کے فتنہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ انھوں نے اپنے فتاوی جات میں ذکر کیا ہے کہ بغیر کسی شہوت اور جنسی لذت کے کسی عورت سے ہاتھ ملانا اور مصافحہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ خاص کر ایسی صورت حال میں کہ دونوں کے درمیان کوئی قریبی رشتہ داری ہو اور دونوں عرصہ کے بعد ملے ہوں یا عید وبقر عید وغیرہ کا موقع ہو۔[35] ڈاکٹر صاحب کا ذکر کردہ فتوی سے صاف واضح ہے کہ انھوں نے عورتوں سے مصافحہ کو جائز قرار دیا ہے۔

جمہور کا مسلک:

زیر نظر مسئلہ میں قرضاوی صاحب کا نقطہ نظر جمہور ائمہ مذاہب کے مسالک کے خلاف ہے جمہور کے نزدیک نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ "الموسوعة الفقهية" میں ہے:

33-مفتی محمد شفیع، معارف القرآن (کراچی: ادارة معارف کراچی، 2004) ج7، ص754۔

34-القرآن 27 :55۔

35-فتاوی معاصرة: ج2، ص291۔

وَأَمَّا مُصَافَحَةُ الرَّجُل لِلْمَرْأَةِ الأَجْنَبِيَّةِ الشَّابَّةِ فَقَدْ ذَهَبَ الْحَنَفِيَّةُ وَالْمَالِكِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ فِي الرِّوَايَةِ الْمُخْتَارَةِ، وَابْنُ تَيْمِيَّةَ إِلَى تَحْرِيمِهَا۔۔۔وَقَال الْحَنَابِلَةُ: وَسَوَاءٌ أَكَانَتْ مِنْ وَرَاءِ حَائِلٍ كَثَوْبٍ وَنَحْوِهِ أَمْ لاَ۔[36]ترجمہ: مرد کا اجنبی نوجوان عورت سے ہاتھ ملانا حرام ہے اور یہ جمہور علماء (حنفیہ، مالکیہ، شافعی، حنابلہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ) کا مسلک ہے اور حنابلہ تو کہتے ہیں کہ ان کے درمیان حائل موجود ہو یا نہ ہو یک ساحرام ہے۔اس عبارت سے واضح ہے کہ قرضاوی صاحب کا نقطہ نظر جمہور اہل علم کے مسلک کے خلاف ہے۔

قرضاوی صاحب کی رائے-ایک تجزیہ:

نامحرم خواتین سے ہاتھ ملانا تمام فقہاءِ کرام کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے، اور اس کے بہت سے دلائل نصوص میں موجود ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نامحرم خواتین کو چھونے پر بھی شدید وعید نقل کی گئی ہے، اور ہاتھ ملانے میں صرف چھونا ہی نہیں بلکہ غیر محرم کا ہاتھ پکڑنا بھی پایا جاتا ہے۔امام طبرانیؒ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ:عن مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم:لَأَنْ يُطْعَنَ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ۔[37]معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی چبھوئی جائے بہتر ہے اس بات سے کہ وہ کسی ایسی عورت کو مسح کرے جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

قرضاوی صاحب نے مذکورہ حدیث کے متعلق دو باتیں کی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث علماء نے صراحت کے ساتھ صحیح نہیں قرار دی اس وجہ سے عورتوں سے مصافحہ کو ناجائز قرار دینے کے لئے یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔ لیکن قرضاوی صاحب کی یہ بات بلکل درست نہیں کیونکہ اس حدیث کو علامہ منذریؒ نے اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں نقل کیا ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ منذری حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: رواه الطبراني والبيهقي ورجال الطبراني ثقات رجال الصحيح۔[38]اس کے علاوہ امام البانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے[39]۔اس وجہ سے حدیث قابل استدلال ہے۔

قرضاوی صاحب اس کے بعد کہتے ہیں کہ اگر حدیث صحیح بھی مانا جائے تو اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس حدیث میں جس چیز سے خبردار کیا گیا ہے وہ ہے عورتوں کو ''مس'' کرنا۔اور قرآن میں مس جماع، ہم بستری اور ہم بستری سے پہلے بوس وکنار کے معنوں میں مستعمل ہے۔ لیکن یہ بات بھی درست نہیں ہو سکتی کیونکہ ''مس'' کا ایک حقیقی معنی ہے اور ایک مجازی، اگرچہ قرآن میں مس معنی مجازی میں مستعمل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ مس کا معنی مجازی ہی ہوگا۔ بلکہ اکثر جگہ مس کا معنی حقیقی ہی ہوگا، اور کبھی کبھی مجازی معنی مراد لیا جائے گا اور وہ بھی اس جگہ میں جب کوئی قرینہ پایا جائے۔ احادیث میں متعدد جگہ پر لفظ مس اپنے حقیقی معنی میں مستعمل پایا جاتا ہے جیسے ''وضوء مما مست النار[40]'' کے بارے میں کتنی احادیث منقول ہیں۔اگر ہر جگہ مس کا مجازی معنی مراد لیا جائے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ اسی طرح بخاری و مسلم کی احادیث جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ بیعت کرنے کا تذکرہ ہے وہاں بھی لفظ مس کا مجازی معنی مراد لینا درست نہیں ہوتا۔ان احادیث کا تذکرہ ذیل میں کیا جائے گا۔

36-الموسوعة الفقهية الكويتية، ج37، ص369۔

37-سلیمان بن احمد طبرانی، المعجم الكبير (قاہرہ: مكتبة ابن تيمية، 2000)، ح474۔

38-عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری، الترغيب والترهيب: دار الكتب العلمية ط (1417)، ح2938۔

39- محمد ناصر الدین البانی، صحيح وضعيف الجامع الصغير وزيادته (قاہرہ: المكتب الإسلامی، 2000)، ح9174۔

40-صحيح مسلم: باب الوضوء مما مست النار۔ح2343۔

اس کے علاوہ دوسری جگہ پر خود قرضاوی صاحب نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورتوں کے لئے مردوں سے میک اپ کرانا بلکل حرام ہے۔کیونکہ شریعت کی رو سے عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ تنہا ہونا اور اجنبی مرد کا اجنبی عورت کے بدن کا کوئی حصہ چھونا دونوں ہی بلکل حرام ہیں اور یہ مسئلہ قرضاوی صاحب نے مذکورہ حدیث سے ثابت کیا ہے اور اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور علامہ منذریؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے[41]۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک ہی حدیث صحیح اور ضعیف دونوں کیسے ہو سکتی ہیں اور ایک جگہ میں مجازی معنی اور دوسری جگہ میں حقیقی معنی میں کیسے مستعمل ہو سکتا ہے، قرضاوی صاحب جیسا چاہتے ہیں استدلال کرتا رہے گا ایسا نہیں ہے۔لہذا لفظ مس کبھی حقیقی معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مجازی معنی میں۔ہر جگہ اس کا مجازی معنی مراد لینا درست نہیں ہے، اور یہاں پر کوئی قرینہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث حقیقی معنی میں ہی مستعمل ہے جیسا کہ قرضاوی صاحب نے دوسری جگہ پر وہ معنی مراد لیے ہیں۔اور اس حدیث کی وجہ سے نامحرم عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔اس کے علاوہ بخاری شریف کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

عن عائشة رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنْ الْمُؤْمِنَاتِ بِهَذِهِ الآيَةِ بِقَوْلِ اللَّهِ: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ إِلَى قَوْلِهِ غَفُورٌ رَحِيمٌ} .. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنْ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ بَايَعْتُكِ كَلامًا، وَلا وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ، مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلا بِقَوْلِهِ: قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذَلِكِ[42]. ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان مومن عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اے نبی! جب آپ سے مسلمان عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں۔۔۔یقیناً اللہ تعالی در گزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو عورت اس شرط (آیت میں مذکور یعنی ایمان وغیرہ) کا اقرار کر لیتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلماس سے زبانی طور پر فرماتے کہ میں نے تمہاری بیعت قبول کر لی، اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمکے ہاتھ نے ہر گز کسی عورت کا ہاتھ بیعت لیتے وقت کبھی نہیں چھوا صرف آپ ان سے زبانی بیعت لیتے تھے کہ آیت میں مذکورہ باتوں پر قائم رہنا۔

اسی طرح صحیح بخاری کی دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل ہیں کہ :قالت وما مست يد رسول الله صلى الله عليه وسلم يد امرأة إلا امرأة يملكها[43]۔(یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک نے کسی عورت کے ہاتھ کو چھوا تک نہیں ہے، سوائے اس عورت کے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ ہو۔اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ :وما مست كف رسول الله صلى الله عليه وسلم كف امرأة قط[44]۔یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی نے کسی نامحرم عورت کی ہتھیلی کو نہیں پکڑا۔اسی طرح سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ اُمیمہ بنت رقیقہؓ کہتی ہیں کہ :

41- قرضاوی، فتاوی معاصرة:ج1،234۔

42-الجامع الصحيح،كتاب التفسير،سورة الممتحنة،باب اذاجاءكم المؤمنات مهاجرات،ح:4871۔

43- الجامع الصحيح،كتاب الأحكام،باب بيعة النساء،ح:7214۔

44-صحيح مسلم:كتاب الإمارة،باب كيفية بيعة النساء، ح:1844۔

جئت النبي صلى الله عليه وسلم في نسوة نبايعه فقال لنا فيما استطعتن وأطقتن إني لا أصافح النساء[45] امیمہ بنت رقیقہؓ کہتی ہیں کہ میں کچھ عورتوں کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت کرنے آئی، تو آپ نے ہم سے فرمایا: (امام کی بات سنو اور مانو) جہاں تک تمہارے اندر طاقت و قوت ہو، میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔

مذکورہ احادیث میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود سورہ ممتحنہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین سے بیعت کرنے کا حکم دیا ہے اور عرب میں بیعت کا مطلب یہی تھا کہ کسی بڑے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وفاداری کا پختہ عہد کیا جائے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت کا ذکر سورۃ الفتح میں موجود ہے، اور وہاں دستِ مبارک پر بیعت قرآنِ کریم کے اشارے اور روایات کے تواتر سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اس کے باوجود خواتین کو بیعت کرتے وقت صراحت فرمانا کہ میں نے تمہیں زبانی کلامی بیعت کیا اور حضرت عائشہؓ کا قسم اٹھا کر تصریح فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، یہ سب باتیں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ کے بیان کے لیے نہیں ہیں، ورنہ حکمِ ربانی کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل فرماتے۔ اور اخری حدیث میں تو بلکل صراحت کیساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا، کیا اتنی وضاحت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ کو بتانے کے لیے ہے؟ اس کے علاوہ قرضاوی صاحب نے دو احادیث سے استدلال کیا ہے، کہ نامحرم عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے۔ دونوں احادیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ انس بن مالک فرماتے ہیں کہ:

انْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ الله صلى الله عليه وسلم فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ[46]. انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کا یہ حال تھا کہ ایک لونڈی مدینہ کی لونڈیوں میں سے آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور اپنے کسی بھی کام کے لیے جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی تھی۔

اس حدیث میں کہاں ذکر ہوا ہے کہ عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز ہے، حقیقت میں ایسا واقعہ پیش نہیں ہوا ہے بلکہ یہ تو انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اخلاق کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی لونڈی رسول اللہ کے ہاتھ پکڑ لے اور کسی کام کے لیے جہاں چاہتی ہو آپ کو لے جانا چاہتی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار نہیں کریں گے بلکہ ان کے ساتھ چلیں گے۔ لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورتوں سے مصافحہ کرنا درست ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

والمقصود من الأخذ باليد لازمه وهو الرفق والانقياد وقد اشتمل على أنواع من المبالغة في التواضع لذكره المرأة دون الرجل والأمة دون الحرة وحيث عمم بلفظ الاماء أي أمة كانت وبقوله حيث شاءت أي من الأمكنة والتعبير بالأخذ باليد إشارة إلى غاية التصرف حتى لو كانت حاجتها خارج المدينة والتمست منه مساعدتها في تلك الحاجة لساعد على ذلك وهذا دال على مزيد تواضعه وبراءته من جميع أنواع الكبر صلى الله عليه و سلم وقد ورد في ذم الكبر ومدح التواضع۔[47] ہاتھ پکڑنے سے مراد ساتھ رہنے رحمدلی اور مہربانی کے سلوک کرنے کی ہے۔ اور آزاد عورت کے بجائے باندی کا ذکر کیا، لہذا لفظ اماء کا ایک عمومی لفظ ذکر کر کے کسی بھی باندی مراد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح (حیث شاءت) سے مراد کوئی بھی جگہ مراد لی جا سکتی ہے۔ جبکہ (الاخذ بالید) بہت زیادہ تصرف کے طرف اشارہ

45-محمد ناصر الدين الألباني، صحيح وضعيف سنن ابن ماجة، ح2874۔ قال البانی صحيح:529۔

46- بخاری، الجامع الصحيح ،كتاب الادب، باب الكبر، ح:4072۔

47-ابن حجر، فتح الباري شرح صحيح البخاري، قوله باب الكبر، ج10۔

ہے۔ چنانچہ اگر اس باندی کی کوئی ضرورت شہر (مدینہ) سے باہر ہوتی اور اسے اس حاجت روائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی مدد فرماتے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تواضع اور ہر قسم کے تکبر سے پاک ہونے کی دلیل ہے۔ یہ روایت تکبر کی مذمت اور عاجزی وانکساری کی تعریف میں نقل کی گئی ہے۔

اسی طرح وہ ام حرام کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ:

عن أنس بن مالك، يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل على أم حرام بنت ملحان وكانت تحت عبادة بن الصامت، فدخل عليها يوما فأطعمته، وجعلت تفلي رأسه، فنام رسول صلى الله عليه وسلم ثم استيقظ وهو يضحك[48]

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحانؓ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، وہ عبادہ بن صامت کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن آپ ان کے یہاں گئے تو انہوں نے آپ کے سامنے کھانے کی چیز پیش کی اور آپ کا سر جھاڑنے لگیں۔ اس عرصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل نقل کیا گیا ہے یعنی یہ حدیث فعلی ہے۔ اور دوسری احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل دونوں ثابت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے زبانی طور پر بیعت لیتے اور ان کو زبانی طور پر فرماتے کہ میں نے تمہاری بیعت قبول کرلی ہے، اور امیمہ بنت رقیقہؓ تو کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: کہ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔ اور محدثین کا مسلم قاعدہ ہے کہ جب ایک بات دو احادیث میں مختلف نقل ہو جائیں تو حدیث قولی کا اعتبار ہو گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ رسول کی خصوصیات میں سے ہوں یا کوئی دوسری ایسی وجہ ہو جو کہ عام لوگوں کو اس کا علم ہی نہ ہو۔ لہذا یہاں پر بھی غالب گمان ہے کہ امّ حرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محرمات میں شامل ہوں لیکن کسی کو اس بات کا علم ہی نہ ہو۔ اور بہت سے شارحین حدیث نے لکھا بھی ہے کہ ام حرام رسول اللہ کے محرمات میں شامل تھیں۔ یا یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہے۔ لہذا بہت سے احتمالات آگئے، اور معروف اصولی قاعدہ ہے کہ "إِذَا وجد الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ" یعنی جب احتمال وارد ہو گیا تو استدلال باطل ہو گیا، لہذا اس حدیث سے یہ ثابت کرنا درست نہیں ہے کہ غیر محرمات سے مصافحہ جائز ہے۔

اس کے علاوہ شریعت اسلامی میں ایمان والے مرد و عورتوں کو نگاہیں نیچے کرنے کا حکم ہے کسی مسلمان مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بار بار غیر محرم عورت کے طرف دیکھے یا اس کے خوبصورتی سے لطف اندوز ہو جائے اور نہ عورتوں کے لئے جائز ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کو بار بار دیکھے اور ان سے لطف اندوز ہو جائے اور نہ مرد و عورت ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی ضرورت کے باتیں کر سکتی ہیں اور نہ ایک دوسرے کی باتوں سے لطف انداز ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ ان چیزوں میں ابتداءً کوئی جنسی خواہش نہ بھی ہو لیکن آہستہ آہستہ فتنہ کے سبب بن سکتی ہیں، اس وجہ سے مصافحہ میں یہ فتنہ شدید ہونے کا خطرہ ہے۔ اور کوئی بھی برا کام کرنے والا یہ نہیں کہتا کہ میں یہ اس نیت سے کر رہا ہوں، بلکہ وہ کہتا ہے کہ میری نیت تو صاف ہے اس وجہ سے اس چیز کی اجازت دینا مزید فتنہ کا باعث بن سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی رہنمائی نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث میں تو اس مسئلہ میں مصافحہ سے اخف چیزیں حرام کی گئی ہیں جیسے کہ عورتوں کو حکم کیا گیا ہے کہ اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہوئے نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ تو کیا عورتوں کی چھپی ہوئی زینت کی آواز زیادہ خطرناک ہے یا عورتوں سے مصافحہ کرنا، اس لئے عورتوں سے مصافحہ کرنا بطریقہ

48- الجامع الصحيح، كتاب التعبير، باب الرؤيا بالنهار، ح:7008۔

اولی ناجائز و حرام ہونا چاہئے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر قرآن و حدیث میں مرد عورت کے معانقہ کے حرام ہونے کی تصریح کہاں ہے۔ کیا قرضاوی صاحب اس کو بھی جائز قرار دیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قرضاوی صاحب کا فتوی صریح نصوص اور جمہور اہل علم کے نقطہ نظر کے خلاف ہے اس وجہ سے ان کا فتوی جمہور اہل علم اور نصوص کے مقابلے میں قابل عمل نہیں ہے لہذا عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

4۔ مسئلہ تصویر

تصویر کے مسئلہ میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی رائے یہ ہے کہ حرام تصویروں سے مراد صرف مجسمے ہیں، جن کو ہم تماثیل کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تختیوں اور کپڑوں پر منقش کی گئی تصاویر حرام نہیں ہیں۔ کیوں کہ اس قسم کی تصاویر کی حرمت کے بارے میں کوئی بھی صحیح اور صریح روایت موجود نہیں ہے، البتہ جن روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی تصویر کے بارے میں ناگواری کا اظہار کیا ہے، وہ صرف اس وجہ سے کہ اس میں عیش پسندوں اور دنیاداروں کے ساتھ مشابہت ہے۔ ان روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس قسم کی تصاویر حرام ہے۔ البتہ ان روایات کے وجہ سے زیادہ سے زیادہ ہم ان کو مکروہ تنزیہی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے جدید کیمرہ کے فوٹو گرافی کو جائز قرار دیا ہے اور ان کو کاغذ پر نکلوانا بھی جائز سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر قرضاوی نے اپنی کتاب الحلال والحرام فی الاسلام میں لکھا ہے کہ:

"وإن كانت الصورة لذى روح،وليس فيها ماتقدم من المحذرات أى لم تكن مما يقدس ويعظم ولم يقصد فيها مضاهاة خلق الله،فالذى أراه أنها لا تحرم أيضاً"۔[49] اور اگر تصویر کسی ذی روح کی ہو، اور اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو، جس کا بیان اوپر گزر چکا، یعنی کوئی ایسی تصویر نہ ہو جس کی تقدیس و تعظیم کی جاتی ہے اور نہ اس سے تخلیقِ خداوندی کی مشابہت مقصود ہو تو راقم السطور کی رائے میں ایسی تصویر حرام نہیں ہے۔

اس عبارت کے بعد انھوں نے دو احادیث (جن کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا) کو بطور دلیل پیش کیا ہے، بعد میں احادیث سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ألايدل هذان الحديثان على أن الصور المحرمه إنما هي المجسمه التي نطلق عليها التماثيل.أما الصور التي ترسم في لوحات أو تنقش على الثياب والبسط والجدران ونحوها.فليس هناك نص صحيح صريح سليم من المعارضه يدل على حرمتها.نعم هناك أحاديث صحيحة أظهر فيها النبي صلى الله عليه وسلم كراهية فقط لهذا النوع من التصاوير لما فيه من مشابهه المترفين وعشاق المطاع الادنى ۔[50] کیا یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ حرام تصویروں سے مراد مجسمے ہیں جن کو ہم تماثیل کہتے ہیں؟ لیکن جو تصویریں تختیوں پر بنائی جاتی ہیں، یا کپڑوں، فرش یا دیوار وغیرہ پر جن کو منقش کیا جاتا ہے ان کی حرمت کسی ایسی حدیث سے ثابت نہیں ہے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی، نیز وہ کسی دوسرے حدیث سے متعارض بھی نہ ہو۔ البتہ ایسی صحیح حدیثیں موجود ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمنے اس قسم کی تصاویر کے بارے میں ناگواری کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ اس میں عیش پسندوں اور دنیاوی مفاد کی پرستاروں کے ساتھ مشابہت کا پہلو ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

49۔ یوسف القرضاوی، الحلال والحرام فی الاسلام، الباب الثانی، الملبس والزینہ، صور اللوحات والنقوش (قطر: مکتب النور، 2003) ص10۔

50۔ یوسف القرضاوی، الحلال والحرام فی الاسلام، ص107۔

اس قسم کے تصاویر پر ناگواری کا اظہار کیا ہے۔ حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: و لا یؤخذ من الحدیث اکثرمن الکراھه التنزیھیه .[51] اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو حکم اخذ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ دیواروں کو تصویر والے پردوں سے آراستہ کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے جدید کیمرہ کی فوٹو گرافی بھی جائز قرار دیا ہے۔[52] خلاصہ یہ ہے کہ قرضاوی صاحب ان تصاویر کو جائز قرار دیتے ہیں جن کا سایہ نہیں ہوتا، اس شرط کی ساتھ کہ تصویر سے کسی شخص کی تعظیم و تقدیس مقصود نہ ہو اور نہ اس سے تخلیقِ خداوندی کی مشابہت مقصود ہو۔

جمہور علماء کے عبارات کی روشنی میں قرضاوی صاحب کے نقطہ نظر کا شرعی جائزہ

زیر نظر مسئلہ میں جمہور فقہاء کرام کی اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر مجسم ہو یا غیر مجسم ان کے تعظیم و تقدیس مقصود ہو یا نہیں یکساں حرام کیا گیا ہے اور تصویر کے بارے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ ان ساری تصویروں کو شامل ہوتا ہے جن پر تصویر کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم ہو ان کا سایہ ہو یا نہ ہو۔ سلف میں صرف قاسم بن محمدؒ کا مسلک یہ نقل ہوا ہے کہ وہ غیر مجسم تصویر کے بارے میں جواز کے قائل ہیں لیکن اس کے بعد کئی محدثین نے ان کے قول کی تردید کی ہے اور جمہور کے نقطہ نظر کو راجح قرار دیا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

ولافرق فی ھذا کله بین ماله ظل ومالاظل لَهُ هَذَا تَلْخِيصُ مَذْهَبِنَا فِي الْمَسْأَلَةِ وَبِمَعْنَاهُ قَالَ جَمَاهِيرِ الْعُلَمَاءِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَهُوَ مَذْهَبُ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكٍ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَغَيْرِهِمْ وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ إِنَّمَا يَنْهَى عَمَّا كَانَ له ظل ولابأس بِالصُّوَرِ الَّتِي لَيْسَ لَهَا ظِلٌّ وَهَذَا مَذْهَبٌ بَاطِلٌ۔[53] اس بارے میں سایہ دار تصویر اور غیر سایہ دار تصویر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ہمارے مذہب کی تلخیص یہی ہے، جمہور صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کا قول بھی اسی طرح ہے اور سفیان ثوریؒ، مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور دوسرے فقہاء کا مذہب بھی یہی ہے۔ البتہ بعض سلف نے کہا ہے کہ سائے والی تصویر (بت) بنانا تو منع ہے لیکن جس تصویر کا سایہ نہ ہو اس کے بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر یہ باطل مذہب ہے۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے بعض سلف کا نام لے کر قاسم بن محمدؒ کا مسلک ذکر کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے بعد میں اس کا نام ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

وقال آخَرُونَ يَجُوزُ مِنْهَا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ وكرهوا مَا كَانَ لَهُ ظِلٌّ أَوْ كَانَ مُصَوَّرًا فِي الْحِيطَانِ وَشِبْهِهَا سَوَاءٌ كَانَ رَقْمًا أَوْ غَيْرَهُ وَاحْتَجُّوا بِقَوْلِهِ فِي بَعْضِ أَحَادِيثِ الْبَابِ إلاما كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ وَهَذَا مَذْهَبُ الْقَاسِمِ بن محمد۔[54] اور بعض نے کہا ہے کہ کپڑے پر تصویر بنانا جائز ہے اور سائے والی تصویر (مجسم) مکروہ اور ممنوع ہے۔ ان کی دلیل اس باب کی بعض احادیث میں "الاّ ماکان رقماً فی ثوب" کا استثناء ہے اور یہ قاسم بن محمد کا مذہب ہے۔

لیکن قرضاوی صاحب نے امام نووی کی حوالے سے لکھا ہے کہ سلف کا یہ خیال ہے کہ ممنوع صرف وہ تصویریں ہیں جن کا سایہ پڑتا ہو یعنی جو مجسم ہو۔ اور جن کا سایہ نہیں پڑھتا ان میں کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ یہ کوئی ایسی رائے نہیں ہیں جو سلف کی کئی علماء سے منقول ہو بلکہ صرف قاسم بن محمدؒ کی انفرادی رائے ہے

51۔ یوسف القرضاوی، الحلال والحرام فی الاسلام، ص108۔

52۔ یوسف القرضاوی، الحلال والحرام فی الاسلام ص112۔

53۔ یحیی بن شرف الدین نووی، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، باب تحریم تصویر صورة الحیوان (بیروت: دار بن کثیر، 1999) ج12 ص89۔

54۔ نووی، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، ج12 ص89۔

،جب کہ محدثین نے اس رائے کو مرجوح کہا ہے۔اس کے علاوہ قاسم بن محمدؒ اگرچہ مدینہ کے مشہور فقیہ ہیں لیکن ان کی رائے متعدد احادیث رسول اور جمہور فقہاء کرام اور محدثین سے متصادم ہیں۔اس وجہ سے قاسم بن محمدؒ کے انفرادی رائے قابل عمل نہیں ہے۔

چنانچہ فقہ شافعی کے مشہور امام علامہ نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے:

"باب تحريم تصوير صورة الحيوان وتحريم اتخاذ مافيه صورة غير ممتهنة بالفرش ونحوه وان الملٰئكة عليهم السلام لا يدخلون بيتاً فيه صورة أو كلب"یعنی باب ہے،اس مسئلہ کے بیان میں کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے جس میں تصویر بنی ہوئی ہو سوائے اس کے کہ فرش پر روندی جارہی ہو یا اس طرح کی کسی اور وجہ سے ذلیل وحقیر ہو گئی ہو۔

اس باب میں مسئلہ کے ثبوت کے لئے امام مسلمؒ نے ۱۳۴ احادیث نقل کی ہیں،احادیث سے جس مسئلہ کا ثبوت ہوتا ہے اس کا خلاصہ امام نوویؒ نے باب کے عنوان میں ذکر کیا ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے لکھا ہیں کہ:

قَالَ أَصْحَابُنَا وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ تَصْوِيرُ صُورَةِ الْحَيَوَانِ حَرَامٌ شَدِيدُ التَّحْرِيمِ وَهُوَ مِنَ الْكَبَائِرِ لِأَنَّهُ مُتَوَعَّدٌ عَلَيْهِ بِهَذَا الْوَعِيدِ الشَّدِيدِ الْمَذْكُورِ فِي الْأَحَادِيثِ وَسَوَاءٌ صَنَعَهُ بِمَا يُمْتَهَنُ أَوْ بِغَيْرِهِ فَصَنْعَتُهُ حَرَامٌ بِكُلِّ حَالٍ لِأَنَّ فِيهِ مُضَاهَاةً لِخَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى وَسَوَاءٌ مَا كَانَ فِي ثوب أو بساط أودرهم أَوْ دِينَارٍ أَوْ فَلْسٍ أَوْ إِنَاءٍ أَوْ حَائِطٍ أَوْ غَيْرِهَا۔[55] ہمارے اصحاب(شافعیہ)اور دوسرے علماء نے کہا ہیں کہ جاندار کی تصوی بنانا حرام ہے اور اس کی حرمت شدید ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہے اس لئے کہ اس پر احادیث میں شدید عذاب کی وعید کا ذکر ہوا ہے،خواہ بنانے والے نے اسے تذلیل وتوہین کے لئے بنایا ہو یا عزت اور احترام کے ساتھ رکھنے کے لئے۔اس کا بنانا ہر حال میں حرام ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالی کی تخلیق کے ساتھ مشابہت ہے خواہ یہ تصویر کپڑے پر ہو،فرش پر ہو،درہم میں ہو،دینار میں ہو،کسی دھاتی سکے(فلس)میں ہو،برتن میں ہو،دیوار پر ہو یا کسی دوسری چیز پر بنائی گئی ہو(مثلا کاغذ پر)۔

اسی طرح ابن حجر العسقلانیؒ نے اس مسئلہ میں امام نوویؒ کی تحقیق نقل کی ہے کہ جاندار کی تصویر کشی حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے،خواہ سایہ دار ہو یا نہ ہو۔امام نوویؒ کے تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ويؤيد التعميم فيما له ظل وفيما لا ظل له ما أخرجه أحمد من حديث علي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال أيكم ينطلق إلى المدينة فلا يدع بها وثنا إلا كسره ولا صورة إلا لطخها أي طمسها الحديث وفيه من عاد إلى صنعة شيء من هذا فقد كفر بما أنزل على محمد۔[56] میری رائے میں سایہ دار اور غیر سایہ دار دونوں کی ممانعت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمدؒ نے حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا تم میں سے کون ہے جو شہر میں جائے اور کسی بت کو توڑے بغیر نہ چھوڑے اور کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑے۔اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو بھی بت سازی اور تصویر کشی کی طرف دوبارہ رجوع کرے گا تو وہ اس حکم سے انکار کرے گا جو محمد پر نازل ہوا ہے۔

قرضاوی صاحب نے ابن حجرؒ کے حوالے سے امام نوویؒ پر رد نقل کیا ہے،لیکن حقیقت میں انھوں نے امام نوویؒ کی تائید کی ہے،مذکوہ عبارت فتح الباری کی اصل عبارت ہے جس سے مسئلہ واضح ہے اس کے بعد انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ احادیث کی باہمی تطبیق سے ثابت ہوتا ہے کہ قاسم بن محمدؒ کی رائے مرجوح ہے

55۔نووی،المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج،باب تحريم تصوير صورة الحيوان،ج12ص81۔

56۔احمد بن علی بن احمد المعروف ابن حجر،فتح الباري شرح صحيح البخاري،باب عذاب المصورين يوم القيامة،(بیروت:دار بن کثیر،2005)ج10ص384۔

اور رخصت صرف ان تصاویر کے استعمال میں دی گئی ہے جو بچھونے پر روندی جاتی ہوں ،ان کی اجازت نہیں دی گئی ہے جو کھڑی کی گئی ہوں یا لٹکائی گئی ہوں۔[57] اسی طرح فقہ حنفی کا مشہور امام علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ:

وَفِي التَّوْضِيح قَالَ أَصْحَابنَا وَغَيرهم تَصْوِير صُورَة الْحَيَوَان حرَام أَشد التَّحْرِيم وَهُوَ من الْكَبَائِر وَسَوَاء صنعه لما يمتهن أَو لغيره فَحَرَام بِكُل حَال لِأَن فِيهِ مضاهاة لخلق الله وَسَوَاء كَانَ فِي ثوب أَو بِسَاط أَو دِينَار أَو دِرْهَم أَو فلس أَو إِنَاء أَو حَائِط وَأما مَا لَيْسَ فِيهِ صُورَة حَيَوَان كالشجر وَنَحْوه فَلَيْسَ بِحرَام وَسَوَاء كَانَ فِي هَذَا كُله مَا لَهُ ظلّ وَمَا لَا ظلّ لَهُ وَبِمَعْنَاهُ قَالَ جمَاعَة الْعلمَاء مَالك وَالثَّوْري وَأَبُو حنيفَة وَغَيرهم وَقَالَ القَاضِي إِلَّا مَا ورد فِي لعب الْبَنَات وَكَانَ مَالك يكره شِرَاء ذَلِك[58]۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے اہل علم نے کہا ہے کہ جاندار کی تصویر حرام ہے اور اس کی حرمت بڑی شدید ہے اور یہ کبائر میں شامل ہے خواہ تذلیل و تحقیر کے ساتھ رکھنے کے لیے بنائی گئی ہو یا تعظیم کے ساتھ رکھنے کے لیے بنائی گئی ہو، ہر حال میں حرام ہے اس لئے کہ اس میں اللہ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت ہے خواہ کپڑے میں ہوں، بچھونے پر ہوں، اشرفی پر ہو یا روپے پر ہو یا دھات کے سکے پر ہو، برتن میں ہوں دیوار پر ہوں یا کسی دوسری چیز پر ہو اور عام ہے کہ اس کا سایہ ہو یا نہ ہو، علماء کی ایک جماعت مثلاً مالکؒ، ثوریؒ، ابو حنیفہؒ اور دوسروں نے اسی طرح فرمایا ہے۔

ابن عابدین شامیؒ بھی لکھتے ہیں کہ:

أَنَّ التَّصْوِيرَ يحرم وَلَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ صَغِيرَةً كَالَّتِي عَلَى الدِّرْهَمِ أَوْ كَانَتْ فِي الْيَدِ أَوْ مُسْتَتِرَةً أَوْ مُهَانَةً۔[59]۔(ایضاً قال ابن عابدين):هَذَا كُلُّهُ فِي اقْتِنَاءِ الصُّورَةِ، وَأَمَّا فِعْلُ التَّصْوِيرِ فَهُوَ غَيْرُ جَائِزٍ مطلقاً لِأَنَّهُ مُضَاهَاةٌ لِخَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى كَمَا مَرَّ۔[60] تصویر بنانا حرام ہے اگرچہ چھوٹی ہو جیسے روپے پر بنائی گئی ہو یا ہاتھ پر، یا چھپی ہوئی ہو یا ذلت اور بے وقعتی کے ساتھ رکھی ہوئی ہو۔۔۔ مذکورہ بیان تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کے بارے میں ہے اور تصویر بنانا مطلقاً ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں اللہ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت ہے۔

اسی طرح فقہ مالکی کا مشہور امام قاضی ابن العربی المالکی لکھتے ہیں کہ:

فَتَبَيَّنَ بِهَذِهِ الْأَحَادِيثِ أَنَّ الصُّوَرَ مَمْنُوعَةٌ عَلَى الْعُمُومِ، ثُمَّ جَاءَ: إِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ، فَخُصَّ مِنْ جُمْلَةِ الصُّوَرِ، ثُمَّ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِعَائِشَةَ فِي الثَّوْبِ الْمُصَوَّرِ: أَخِّرِيهِ عَنِّي؛ فَإِنِّي كُلَّمَا رَأَيْته ذَكَرْت الدُّنْيَا فَتَبَتَتْ الْكَرَاهَةُ فِيهِ. ثُمَّ بِهَتْكِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الثَّوْبَ الْمُصَوَّرَ عَلَى عَائِشَةَ مَنَعَ مِنْهُ، ثُمَّ بِقَطْعِهَا لَهَا وِسَادَتَيْنِ حَتَّى تَغَيَّرَتْ الصُّورَةُ وَخَرَجَتْ عَنْ هَيْئَتِهَا بِأَنَّ جَوَازَ ذَلِكَ إذَا لَمْ تَكُنْ الصُّورَةُ فِيهِ مُتَّصِلَةَ الْهَيْئَةِ، وَلَوْ كَانَتْ مُتَّصِلَةَ الْهَيْئَةِ لَمْ يَجُزْ لِقَوْلِهَا فِي النُّمْرُقَةِ الْمُصَوَّرَةِ: اشْتَرَيْتهَا لَك لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَتَوَسَّدَهَا، فَمَنَعَ مِنْهُ وَتَوَعَّدَ عَلَيْهِ، وَتَبَيَّنَ بِحَدِيثِ الصَّلَاةِ إلَى الصُّورَةِ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ جَائِزًا [فِي الرَّقْمِ] فِي الثَّوْبِ، ثُمَّ نَسَخَهُ الْمَنْعُ، فَهَكَذَا اسْتَقَرَّ فِيهِ الْأَمْرُ. وَاَللَّهُ أَعْلَمُ.[61] ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہر قسم کی تصویریں ممنوع ہیں۔ پھر "الا ماکان رقماً فی الثوب" کے استثنا کے ذریعے کپڑے پر بنی ہوئی تصویر کو مستثنی کر دیا گیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

57۔ابن حجر،فتح الباري شرح صحيح البخاري،باب عذاب المصورين يوم القيامة،ج10ص384۔

58۔بدرالدین محمود بن احمد عینی،عمدة القاري شرح صحيح البخاريباب عذاب المصورين يوم القيامة (بیروت:دار إحياء التراث العربي،2006)، ،ج22ص70۔

59۔محمد بن عابدین،رد المحتار على الدر المختار،(قاہرہ:دار الخیر،2005) ج1ص447۔

60۔ابن عابدین شامی،رد المحتار على الدر المختار،ج1ص448۔

61۔أبو بكر بن العربي مالکی،أحكام القرآن(بیروت:دار الكتب العلميه،2003)ج4،ص12۔

حضرت عائشہؓ کو تصویر والے کپڑے کے بارے میں فرمایا کہ اسے میرے سامنے سے ہٹادو، اسلئے کہ میں جب بھی اسے دیکھتا ہوں مجھے دنیا یاد آجاتی ہے، تو اس کپڑے میں تصویر کی کراہت ثابت ہو جاتی ہے، پھر جب عائشہؓ کے تصویر والے کپڑے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھاڑ دیا تو اس سے کپڑے میں تصویر کی ممانعت ثابت ہو جاتی ہے، پھر جب عائشہؓ نے تصویر والے کپڑے کو پھاڑ کر دو تکیے بنادئے اور تصویر کی اصل ہیئت تبدیل ہو گئی تو اس سے ظاہر ہوا کہ کپڑے پر تصویر کا جواز اس وقت ہے جب کہ اس کے اجزاء متصل نہ ہو اور اس کی شکل سالم نہ ہو اور اگر اس کی شکل صحیح سالم ہو اور اس کے اجزاء آپس میں جڑے ہوئے ہوں تو پھر جائز نہیں ہے کیونکہ جب عائشہؓ نے باتصویر تکیے یا گدے کے بارے میں کہا کہ میں نے اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور اس پر وعید سنائی۔ اور تصویر والے پردے کی طرف نماز پڑھنے کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ کپڑے میں تصویر جائز تھی مگر منع کی حدیث نے اسے منسوخ کر دیا تھا پس تصویر کے بارے میں یہ حکم (یعنی منع کا حکم) برقرار ہے۔ واللہ اعلم۔

قاضی ابن عربیؒ نے احادیث سے جو احکام ثابت کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا منع ہے اگر کپڑے پر تصویر کشی کی ابتدا میں اجازت دی گئی تھی لیکن بعد میں جب رسول اللہ نے تصویر والے کپڑے کو ہٹانے اور اسے پھاڑنے کا حکم دیا تو یہ اجازت بھی ختم ہو گئی۔ البتہ اگر تصویر والے کپڑے کو پھاڑ دیا جائے اور تصویر کے اجزا الگ الگ ہو گئے ہوں تو اس کا استعمال جائز ہے اس لئے کہ یہ غیر جاندار کی تصویر کی طرح نظر آتی ہے۔ ان عبارات سے واضح ہے کہ جمہور فقہاء کرام، محدثین اور مجتہدین کے نقطہ نظر یہ ہے کہ تصویر مطلقاً ناجائز اور حرام ہے خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم، سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار ہو۔ رخصت صرف ان تصاویر کے استعمال میں دی گئی ہے جو بچھونے پر روندی جاتی ہوں۔

قرضاوی صاحب کے دلائل-ایک تجزیہ

تصویر کی حرمت کے بارے میں جتنی روایات مروی ہیں ان سب میں مجسم اور غیر مجسم تصویر یعنی سایہ دار اور غیر سایہ دار تصویر کے درمیان میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے بلکہ ذی روح کی تصویر بنانے کی مطلقاً ممانعت کی گئی ہیں۔ لیکن قرضاوی صاحب نے بعض ان احادیث سے استدلال کیا ہے جس میں ''الّا رقماً فی ثوب'' کا استثناء ہے، جس سے انھوں نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ اگر کپڑے میں تصویر نقش کی گئی ہو تو جائز ہے۔ اور جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ اس قسم کی تصاویر (یعنی غیر مجسم تصاویر) کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار کیا ہے، قرضاوی صاحب نے ان کو صرف کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے۔

قرضاوی صاحب کا احادیث سے یہ استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ بعض احادیث میں اگرچہ ''الا رقماً في ثوب'' کا استثناء ثابت ہے، لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہو سکتا کہ کپڑے پر بنائی گئی تصویر جائز ہے کیونکہ دوسرے صحیح روایات میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مجسم تصویروں کے بارے میں ناگواری کا اظہار فرمایا ہے اور ان کی وجہ سے اندر جانے سے رک گئے تھے، اور یہ بھی مروی ہے کہ اس قسم کی تصاویر کو پھاڑ دیا تھا۔ تو ان کو جائز کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ چنانچہ موالانا گوہر رحمان لکھتے ہیں کہ قرضاوی صاحب نے الا رقماً في ثوب والی احادیث پر استدلال کرتے ہوئے منقش کی گئی تصاویر کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ حدیث میں جاندار کی غیر مجسم اور غیر سایہ دار تصویر کی اجازت نہیں دی گئی ہے بلکہ ''رقم فی الثوب'' کا استثناء کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں رقم کے معنے ہیں لکھنا جیسا کہ قرآن کریم میں ''کتاب مرقوم'' اور ''الرقیم'' کے لفظ آئے ہیں یعنی لکھی ہوئی کتاب اور کتبہ۔ یہی وجہ ہے کہ قلم کو ''مرقم'' اور کاتب کو ''مرقِم'' کہتے ہیں۔ رقم

الثوب کے معنی ہیں "کپڑے پر دھاریاں ڈال دیں" الرقم ضرب مخطط من الوشی "رقم ایک قسم کے دھاری دار نقوش کو کہتے ہیں۔اس وجہ سے رقماً فی الثوب سے کپڑے پر نقش و نگار، دھاریوں اور پھول پتیوں کی اجازت ثابت ہوتی ہے جو بالاجماع جائز ہے۔ کپڑے پر تصویر ثابت نہیں ہوتی۔[62]

اسی طرح امام نوویؒ نے بھی رقماً فی الثوب کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہیں کہ :وَجَوَابُنَا وَجَوَابُ الْجُمْهُورِ عَنْهُ أَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى رَقْمٍ عَلَى صُورَةِ الشَّجَرِ وَغَيْرِهِ مِمَّا لَيْسَ بِحَيَوَانٍ وَقَدْ قَدَّمْنَا أَنَّ هَذَا جَائِزٌ عِنْدَنَا۔[63] ہمارا جمہور کا جواب یہ ہے کہ یہ محمول ہے درخت اور دوسری ان چیزوں کی صورت اور نقش پر جو جاندار نہ ہو ،اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ہمارے نزدیک جائز ہے۔اس کے علاوہ منقش کی گئی تصاویر یعنی غیر مجسم تصاویر کی حرمت صریح روایات سے ثابت ہیں۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں حدیث نقل کیا ہے :

عن أبي طلحة الأنصاري، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب، ولا تماثيل» قال فأتيت عائشة فقلت: إن هذا يخبرني، أن النبي صلى الله عليه وسلمقال: «لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا تماثيل» فهل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلمذكر ذلك؟ فقالت: لا۔۔۔ولكن سأحدثكم ما رأيته فعل، رأيته خرج في غزاته، فأخذت نمطا فسترته على الباب، فلما قدم فرأى النمط، عرفت الكراهية في وجهه، فجذبه حتى هتكه أو قطعه، وقال: «إن الله لم يأمرنا أن نكسو الحجارة والطين» قالت فقطعنا منه وسادتين وحشوتهما ليفا، فلم يعب ذلك علي۔[64] سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا مجسمے ہوں۔ راوی زید بن خالد کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا ہے کہ : ملائکہ کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا مجسمے ہوں۔ کیا آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ فرمایا نہیں، لیکن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ بیان کرتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ پر تشریف لے گئے تھے، میں نے ایک چادر لی اور دروازہ کو پردہ لگا دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور چادر کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کو کھینچ کر اسے پھاڑ ڈالا اور فرمایا: اللہ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑوں سے آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "ہم نے اس سے دو تکیے بنا لیے اور اس میں کھجور کی چھال بھر دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔

اسی طرح امام احمدؒ نے حدیث نقل کیا ہے کہ :

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي جَنَازَةٍ، فَقَالَ:مَنْ يَأْتِي الْمَدِينَةَ فَلا يَدَعُ قَبْرًا إِلا سَوَّاهُ، وَلا صُورَةً إِلا طَلَخَهَا، وَلا وَثَنًا إِلا كَسَرَهُ۔قَالَ: فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: أَنَا. ثُمَّ هَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَجَلَسَ، قَالَ عَلِيٌّ: فَانْطَلَقْتُ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ لَمْ أَدَعْ بِالْمَدِينَةِ قَبْرًا إِلا سَوَّيْتُهُ، وَلا صُورَةً إِلا طَلَخْتُهَا، وَلا وَثَنًا إِلا كَسَّرْتُهُ، قَالَ: فَقَالَ: " مَنْ عَادَ فَصَنَعَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَى مُحَمَّدٍ۔[65] حضرت علیؓ سے مروی ہے، کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون شخص مدینہ منورہ جائے گا کہ وہاں جا کر کوئی بت ایسا نہ چھوڑے جسے اس نے توڑ نہ

62۔ گوہر رحمان، تصویر سازی اور فوٹو گرافی کی شرعی حیثیت (مردان: مکتبہ تفہیم القرآن، 1999)، ص13۔

63-نووی، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ج14، ص85۔

64- صحیح مسلم، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، ح2107، 2160۔

65-احمد بن محمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل: (بیروت: مؤسسة الرسالة، 2003)

دیا ہو، کوئی قبر ایسی نہ چھوڑے جسے برابر نہ کر دیا ہواور کوئی تصویر ایسی نہ دیکھے جس پر گاراور کیچڑ نہ ملا دے(یعنی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑے)؟ایک شخص نے عرض کیایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ کام میں کروں گا، چنانچہ وہ آدمی روانہ ہو گیا، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچا تو وہ اہل مدینہ سے مرعوب ہو کر واپس لوٹ آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں جاتا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی، چنانچہ جب وہ واپس آئے تو عرض کیایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جہاں بھی کسی نوعیت کا بت پایا اسے توڑ دیا، جو قبر بھی نظر آئے اسے برابر کر دیااور جو تصویر بھی دکھائی دی اس کو مٹا دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی بت سازی اور تصویر کشی کی طرف دوبارہ رجوع کرے گا وہ اس حکم سے انکار کرے گا جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے.

پہلے حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ تصویریں لٹکانا حرام ہیں، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلمنے اس پردہ کو پھاڑ دیا تھا جس پر تصویریں منقش کی گئی تھی۔اور دوسرے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مجسموں کو توڑنے کے ساتھ ساتھ تصویروں کو مٹانے کا بھی حکم دیا ہے۔ان دو احادیث میں تصریح ہوئیں ہیں کہ منقش کی گئی تصاویر بھی جائز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اس مسئلہ پر مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں (۱۴) احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ، حضرت عمر اور ابن عباسؓ کا طرز عمل نقل کرنے کے بعد انہی احادیث وآثار کی بناپر علامہ بدر الدین عینیؒ، امام نوویؒ، ابن العربی المالکیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں تصاویر کی حرمت کوئی مختلف فیہ یا مشکوک مسئلہ نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات، صحابہ کرام کے عمل اور فقہائے اسلام کے متفقہ فتاویٰ جات کی رو سے ایک مسلمقانون ہے جسے آج بیرونی ثقافتوں سے متاثر لوگوں کی موشگافیاں بدل نہیں سکتیں۔[66]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زیر نظر مسئلہ میں دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں ایک رائے جمہور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، محدثین، فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین کی ہے۔ان حضرات نے متعدد احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہیں کہ تصویر مطلقاً حرام ہے خواہ سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار، مجسم ہو یا غیر مجسم، ان کے مصور کو سزا دی جائے گی۔ان حضرات کے بر خلاف میں قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ غیر مجسم تصویر جائز ہے، جمہور کے مسلک احادیث نبوی کے موافق ہونے کے وجہ سے راجح مسلک ہے اور دوسرے مسلک صریح احادیث کی متصادم ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے، بخاری و مسلم کے شارحین نے قاسم بن محمد کے مسلک کو مرجوح کہا ہے، اس وجہ سے ان کے قول پر فتوی دینا درست نہیں ہے۔لہذا قرضاوی صاحب کی یہ رائے قابل عمل نہیں ہے کہ غیر مجسم تصویر کو حلال سمجھا جائے بلکہ متعدد احادیث اور سلف وخلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم تصویر حرام ہے، خواہ مجسم یا غیر مجسم۔البتہ جدید کیمرہ کی فوٹو گرافی کی تصویر میں اہل علم کا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن ان کو کاغذ پر کسی ضرورت کے بغیر نکلوانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب کے فقہی تفردات پر کام ہوا ہے، جو کہ ان کی شہرہ آفاق تصنیف "الحلال والحرام فی الاسلام "اور ان کے "فتاوی معاصرة " کی پہلی دو جلدوں سے اخذ کے گیے ہیں۔ مقالے میں ڈاکٹر صاحب کے ان آراء سے متعلق بحث درج ہے، جن میں جمہور سے الگ رائے اختیار کی ہے۔ قرضاوی صاحب کی بہت سے فقہی کتب ہیں اور اس مقالے میں موصوف کی صرف دو کتابوں سے اخذ شدہ تفرادات پر بحث کی گئی ہے، اس لئے قرضاوی صاحب کی

66۔ابوالاعلی مودودی، تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2009) ج4 ص187۔

دوسری کتب کا مطالعہ کی روشنی میں ان میں موجود شاذ اور انفرادی آراء پر کام کرنا ضروری ہے، تاکہ ان مسائل میں قرآن وسنت کے روشنی میں صحیح تحقیق کر کے عوام الناس کو پیش کی جائے۔

اس کے علاوہ قرضاوی صاحب نے عورتوں کی زینت، ان کا دائرہ کار اور ان کے ستر و حجاب سے متعلق بحث کی ہے، جس پر تحقیق کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اہل علم کو چاہیے کہ ہر اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرے جو لوگوں میں مشہور ہو، لوگ ان کی رائے کو قابل حجت سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے فتاوی جات کی تحقیق کرنا، ان کی تحریروں کا قرآن وسنت، اور جمہور اہل علم کے اقوال سے موازنہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔